novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

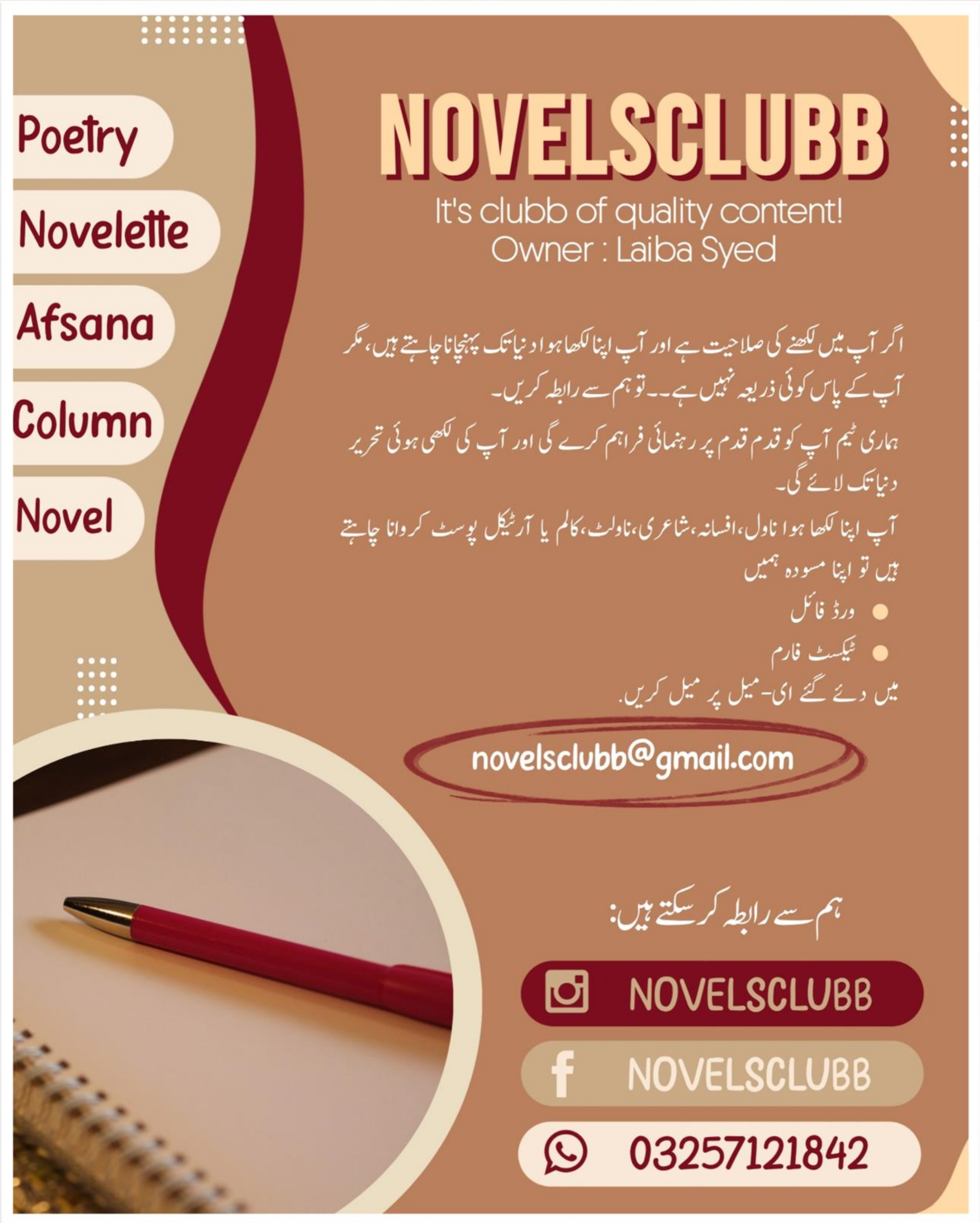

Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔ تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دیے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

الخناس

از قلم

رجاء اور ردا

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اسلام علیکم !

آپ یہی سوچ رہے ہوں گے کہ آخر ایک ناول کے دو لکھاری کیسے ہو سکتے ہیں؟ چلیں آیئے ہم آپ کی اس الجھن کو دور کرتے ہیں۔

اصل میں ہم دونوں دوستوں کو اردو ناولز پڑھنے کا بے حد شوق تھا۔ پڑھتے پڑھتے نہ جانے کب یہ شوق ناول لکھنے میں بدل گیا اور ہم دونوں نے اپنی اپنی تحریروں پر کام شروع کر دیا۔ ابتدا میں ہم الگ الگ پروجیکٹس پر کام کر رہے تھے، پھر ایک دن رجاء کے ذہن میں خیال آیا کہ کیوں نہ ایک ساتھ مل کر ناول لکھا جائے؟ ردا نے اس خیال سے اتفاق کیا اور یوں ہمارے مشترکہ سفر کا آغاز ہوا۔

رجاء کے ذہن میں ایک کہانی کا بنیادی خاکہ پہلے سے موجود تھا، لہٰذا ہم نے فیصلہ کیا کہ الخناس پر ہی کام کیا جائے۔ پھر اللہ اللہ کر کے ہم نے لکھنا شروع کیا اور پہلا سین مکمل کر لیا۔ اس کے بعد ایک طویل وقفہ آیا، ایسا وقفہ جس میں ہم اپنی امید تقریباً کھو چکے تھے۔ ہمیں خود بھی یقین نہیں تھا کہ یہ ناول کبھی مکمل ہو پائے گا یا نہیں۔ لیکن دل میں ایک خواہش ضرور تھی؛ اس کہانی کو مکمل کرنے کی اور اسے آپ تک پہنچانے کی۔ الحمدللہ، آج وہ خواہش ایک حد تک پوری ہو گئی ہے۔ اگرچہ ناول ابھی مکمل نہیں ہوا، لیکن اس کی پہلی قسط آپ کے سامنے ہے، اور ہمیں امید ہے کہ ان شاءاللہ یہ ناول بھی جلد اپنے اختتام تک پہنچ جائے گا۔

اس ناول کی سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ جب ہم نے اسے لکھنا شروع کیا تو اس کی مکمل اینڈنگ ہمارے ذہن میں موجود نہیں تھی۔ صرف چند بنیادی نکات تھے جنہیں ہم کہانی کا حصہ بنانا چاہتے تھے۔ مگر لکھتے لکھتے یہ کہانی ہمارے لیے ایک الگ دنیا بن گئی۔ ایک ایسی دنیا جہاں نئے کردار آئے، نئی کہانیاں جنم لیں، دل کو چھو لینے والے لمحات شامل ہوئے، اور بہت سے ایسے موضوعات سامنے آئے جنہیں بیان کرنا ضروری محسوس ہوا۔

ایک اہم وضاحت:

اس ناول میں شامل تمام کردار، مقامات، واقعات اور مکالمے ہماری تخلیق کا حصہ ہیں۔ اگرچہ اس کہانی میں گل پلازہ کے سانحے کا حوالہ دیا گیا ہے، لیکن اس سے جڑی پوری کہانی مکمل طور پر فرضی ہے۔ اس ناول کا مقصد صرف ایک دلچسپ اور بامعنی کہانی پیش کرنا ہے، نہ کہ کسی حقیقی واقعے یا شخصیت کی عکاسی کرنا۔ اس لیے ہماری گزارش ہے کہ اس ناول کو صرف ایک ناول سمجھ کر پڑھیں اور اسے حقیقت پر مبنی نہ سمجھیں۔

آخر میں ہم اپنے تمام عزیزوں اور دوستوں کا شکریہ ادا کرنا چاہیں گے جنہوں نے اس سفر میں ہمارا ساتھ دیا اور ہماری حوصلہ افزائی کی۔

خصوصی طور پر عفیرہ انیس کا، جو ردا کی بڑی بہن اور رجاء کی بہترین دوست ہیں۔ انہوں نے نہ صرف ہماری تحریر پڑھی بلکہ قیمتی مشوروں کے ذریعے اسے بہتر بنانے میں بھی ہماری مدد کی۔

اسی طرح عمر فاروق اور عائشہ فاطمہ کا بھی تہہ دل سے شکریہ، جنہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر ہماری تحریر کا جائزہ لیا اور ہماری غلطیوں کی نشاندہی کی۔

ہم امید کرتے ہیں کہ آپ کو ہماری یہ کاوش پسند آئے گی اور آپ اس سفر میں ہمارے ساتھ رہیں گے۔

~از قلم ردا اور رجاء~

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

پہلی قسط۔

"الخناس"

باب اوّل——یوٹرن

"زندگی کبھی سیدھی لکیر کی طرح نہیں چلتی...

وہ وقتاً فوقتاً کروٹ بدلتی رہتی ہے...

کچھ موڑ معمولی ہوتے ہیں...

اور کچھ ایسی کروٹیں لے آتے ہیں جو انسان کی پوری دنیا بدل دیتی ہیں...

ہر حادثہ اچانک نہیں ہوتا...

کچھ تباہیاں بہت پہلے جنم لے چکی ہوتی ہیں۔

کسی کے لبوں پر سوال تھے...

کسی کے ہاتھوں میں شفا...

کسی کی آنکھوں میں انصاف...

کسی کے دل میں تباہی کا منصوبہ...

اور کوئی پردوں میں چھپے رازوں سے نقاب اٹھانے کا عزم کر چکا تھا...

سب اپنی اپنی زندگیوں میں مصروف تھے...

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

بے خبر کہ تقدیر خاموشی سے ایک ایسی چنگاری سلگا چکی ہے...

جو بہت جلد کئی زندگیوں کو اپنی لپیٹ میں لینے والی ہے..."

" کبھی کبھی زندگی ایسے موڑ پر لے آتی ہے جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔

کبھی کبھی قسمت ایسا یوٹرن لیتی ہے کہ جو ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ شاید ایسے ہی کچھ اس کے ساتھ ہوا تھا۔"

آسمان پر چودھویں کا چاند پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ کھڑکی سے آنے والی ٹھنڈی ہوا کمرے کی فضا میں سردی گھول رہی تھی۔ ماربل کی چمکتی ٹائلیں اور قیمتی شو پیس واضح کر رہے تھے کہ یہ کسی فائیو اسٹار ہوٹل کا کمرہ ہے۔ مگر بکھرا ہوا سامان ماحول میں ایسی سنسنی بھر رہا تھا جو کسی گزرے ہوئے طوفان کا پتہ دے۔

خاموشی کے بیچ عین وسط میں رکھا کشادہ بیڈ اس ہنگامے کا سب سے بڑا گواہ محسوس ہوتا تھا۔ اس پر پڑا وجود ساکت تھا؛ آنکھیں چھت کے پنکھے پر جمی ہوئی اور جسم بے جان اور ٹھنڈا۔ چہرے پر درد کی آخری جھلک منجمد تھی۔

ایک ہاتھ بیڈ سے نیچے ڈھلکا ہوا جبکہ دوسرا سینے میں پیوست خون آلود خنجر پر ٹھہرا ہوا تھا۔

سرخ خون چادر سے رس کر سفید فرش پر پھیل چکا تھا——اور کمرے کی خاموشی اب ایک سرد، بے رحم حقیقت میں بدل گئی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

خون کی دھیمی دھیمی بُو اب کمرے کی سرد فضا میں گھل چکی تھی، جیسے ہوا بھی اس راز کی شریک ہو گئی ہو۔ دیوار پر آویزاں قیمتی پینٹنگ ذرا سی ٹیڑھی لٹک رہی تھی، گویا اُس نے بھی اس قیامت کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔ شیشے کی میز پر رکھا کرسٹل گلاس ٹوٹ کر بکھر چکا تھا اور اس کے نوکیلے ٹکڑے فرش پر پڑی سرخ نمی میں چمک رہے تھے۔

ٹیرس کا دروازہ مکمل طور پر بند نہ تھا۔۔یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ابھی کوئی کچھ دیر پہلے وہاں سے گزرا ہو—یا شاید اب بھی وہیں کہیں موجود ہو۔

کچھ ماہ قبل۔۔

کراچی کی بھاگتی دوڑتی زندگی میں، ایک سات منزلہ عمارت میں قدم رکھتے ہی فضا بدل جاتی ہے۔ یہ ایک الیکٹرانک میڈیا نیوز بلڈنگ تھی۔ اندر داخل ہوں تو ہر طرف مصروفیت کا شور، کی بورڈز کی مسلسل ٹک ٹک، آن لائن اسکرینز پر گڑی ہوئی نظریں، اور خبریں جو لمحہ بہ لمحہ جنم لے رہی تھیں۔

سامنے ہی ایک شیشے کا کیبن تھا۔ اندر ایک سادہ آفس ڈیسک، اور اس کے پیچھے ایک گھومتی ہوئی ریوالونگ چیئر۔ جس پر بیٹھا وہ آہستہ آہستہ کرسی ہلا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑا قلم تیزی سے گھوم رہا تھا اور اس کی نظریں سامنے موجود لیپ ٹاپ کی سکرین پر تھی صاف ظاہر تھا کہ اس کا ذہن کسی الجھی ہوئی سوچ میں ڈوبا ہوا ہے۔

اچانک کیبن کا دروازہ کھلا اور ایک لڑکی درمیانہ قد، گول سا چہرہ، گہری سیاہ گھٹاؤں جیسی آنکھیں، سادہ شلوار قمیص اور ساتھ ہی وقار سے باندھے ہوئے حجاب میں اندر داخل ہوئی۔

"کیا ہوا بھائی؟ کیوں علامہ اقبال بنے ہوئے ہو؟ چلنا نہیں ہے کیا؟"

لڑکی نے ہلکی سی شوخی کے ساتھ کہا۔

وہ چونکا۔ گھومتی ہوئی کرسی آہستہ سے رک گئی۔ نوجوان نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ بولا،

"کدھر؟"

"یاد نہیں؟ باس نے ایک انٹرویو کی ڈیٹیلز دی تھیں۔"

وہ کرسی پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا، اس کی سنہری آنکھوں میں اب سنجیدگی کے ساتھ ہلکی سی دلچسپی بھی شامل تھی۔

"اوہ۔۔اس بارے میں تو میں بھول ہی گیا تھا۔"

وہ ذرا دیر رکا اور اس کے دماغ میں پچھلے دن کا منظر ابھرنے لگا۔

"بہت دیر کر دی مہرباں آتے آتے۔"

شہروز صاحب نے اس کے آتے ہی ایک طنزیہ ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

حسن آفس میں داخل ہوا تو شہروز صاحب کسی فائل پر جھکے ہوئے تھے۔ان کے سامنے والی کرسی پر حورین بیٹھی ایک فائل پر کام کر رہی تھی۔ حسن کے آتے ہی وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں کہہ رہی ہو کہاں مر گئے تھے؟

"سر وہ بس ایک کام میں۔۔

"بس بس زیادہ ڈرامے کرنے کی ضرورت نہیں ہے سب جانتا ہوں میں۔"

ابھی حسن کی بات مکمل بھی نہ ہوئی تھی کہ شہروز صاحب نے اسے بیچ میں ٹوک دیا جس پر حورین اپنی ہنسی دبانے لگی اور حسن نے اس کو کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

"اچھا یہ فائل پکڑو، اچھی طرح پڑھو اور انٹرویو کی تیاری کرو۔"

انہوں نے فائل اس کی طرف بڑھائی اور واپس اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

"اف۔ف۔ف یہ کسی دن ضائع ہو جائے گا میرے ہاتھ سے پتا نہیں کیا سمجھتا ہے خود کو۔

اس نے فائلز اٹھائیں اور وہاں سے نکل گیا اس کے پیچھے حورین بھی آفس سے نکل گئی۔آفس سے نکل کر حسن نے اپنی میز پر فائلز پٹخیں اور منہ بسورتے ہوئے بولا۔

"کیا بول رہے تھے ذرا واپس بولنا۔"

حورین نے اپنے موبائیل میں وائس ریکارڈ آن کیا اور مسکراہٹ دباتے ہوئے بولی۔

"بہری ہو کیا؟ کہہ رہا ہوں ضائع ہو جائے گا وہ میرے ہاتھوں سے کسی دن موٹا کہیں کا۔"

حسن نے اپنی بات جھلاتے ہوئے واپس دہرائی اس بات سے بے خبر کہ حورین نے اس کی وائس ریکارڈ کرلی ہے۔

"بہری ہو کیا؟ کہہ رہاہوں ضائع ہو جائے گا وہ میرے ہاتھوں سے کسی دن موٹا کہیں کا۔"

حورین نے حسن کی وائس اس کے سامنے چلائی اور شرارت سے ہنستے ہوئے کہا:

"اب تو بیٹا تم گئے۔ یہ وائس میں باس کو سناتی ہوں ابھی۔۔ رکو تم۔"

"پاگل ہو گئی ہو کیا کیوں مجھے نوکری سے نکلوانا چاہتی ہو؟"

حسن نے اس سے موبائل چھیننے کی کوشش کی لیکن حورین پیچھے ہو گئی اور اس کے سامنے موبائل لہرا کر شرارتی مسکراہٹ چہرے پر سجائے اپنی میز کی جانب بڑھ گئی۔

حسن بھی بے فکری سے مسکرادیا کیوں کہ وہ جانتا تھا حورین ایسا کچھ نہیں کر سکتی۔

"تو بتاؤ کب جانا ہے انٹرویو کے لیئے؟"

حورین نے کافی کا ایک سپ لیتے ہوئے کہا۔

"یار تمھیں نہیں لگتا یہ باس ہمیں چن کر سب سے زیادہ بورنگ کام دیتے ہیں؟"

حسن نے دونوں ہاتھ میز پر جماتے ہوئے کافی سنجیدگی سے سوال کیا جس پر حورین کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"کیا یار ھسنا تو بند کرو"

وہ اپنا لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے بولا اور پھر کرسی کے بیگ سے اپنی ہوڈی اٹھا کر اس کی طرف دیکھا

۔

"چلو اب چلنا نہیں ہے کیا؟"

حورین نے اوپر سے نیچے تک اس کا جائزہ لیا اور بولی:

"تم ایسے جاؤ گے"

حسن نے بے پروائی سے اپنے بکھرے ہوئے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔اس کے بال ماتھے پر گرے ہوئے تھے، سادہ سی ٹی شرٹ، ہاتھ میں ہُوڈی، نیچے ڈھیلی سی بیگی جینز اور اسنیکرز۔

وہ آنکھیں گھما کر بولا،

"کیا ہوا؟اس میں کیا مسئلہ ہے؟ میں ایسے ہی ٹھیک لگ رہا ہوں۔"

حورین نے بھنویں چڑھائیں، اور بازو باندھ کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"ٹھیک لگ رہے ہو؟ ہم محلے کی کرکٹ ٹیم کا انٹرویو لینے نہیں جا رہے، مسٹر۔ہم میئر فرحان عالمگیر کا انٹرویو لینے جا رہے ہیں۔"

"ہاں جو بھی ہے چلو میں نے انٹرویو منہ سے لینا ہے کپڑوں سے نہیں۔"

وہ بولتا ہوا کیبن کا دروازہ کھولتے باہر نکل گیا۔

Clubb of Quality Content

حورین بھی ماتھے پر ہاتھ مارتے، اور میز سے فائل اٹھاتے اس کے پیچھے نکلی۔

میئر ہاؤس کسی شاہی محل سے کم نہ تھا۔ وسیع و عریض رقبے پر پھیلا وہ سفید و سنہری تھیم والا بنگلہ دور سے ہی اپنی شان کا اعلان کر رہا تھا۔ بلند دروازے، تراشے ہوئے سبزہ زار، اور اندر داخل ہوتے ہی چمکتی ہوئی سفید ٹائلز جن پر فانوس کی سنہری روشنی جھلملاتی تھی۔ دیواروں پر قیمتی پینٹنگز آویزاں تھیں اور ہر کونے سے وقار جھلکتا تھا۔

ڈائننگ ہال میں ایک طویل میز سجی ہوئی تھی۔ اور میز کے سرے پر ایک باوقار شخصیت مکمل بلیک اینڈ وائٹ سوٹ میں ملبوس بیٹھی تھی۔ کنپٹیوں سے جھلکتے ہلکے سرمئی بال، پر سکون مگر رعب دار انداز۔ وہ کانٹے سے آملیٹ کا ٹکڑا کاٹتے، ساتھ رکھے ٹیبلیٹ پر ایک نظر ڈالتے اور پیچھے کھڑے اپنے پی اے کو ہدایات دیتے جا رہے تھے۔

"فائلز آج ہی سائن ہو جانی چاہئیں۔۔ اور اسپتال کے فنڈز کی رپورٹ شام تک میرے پاس ہو۔"

پی اے نے فوراً سر جھکا کر "جی سر" کہا۔

اتنے میں ان کی نظر سامنے کام کرتے ایک ملازم پر پڑی۔ انہوں نے دو انگلیوں کے اشارے سے اسے قریب بلایا۔

"زرا اٹھ گئی؟"

"جی سر، وہ صبح سات بجے ہی اٹھ گئی تھیں۔۔ابھی کچھ دیر پہلے ہی اسپتال گئی ہیں۔"

یہ سن کران کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

"ہمیشہ کی طرح مصروف۔۔"

انہوں نے دھیرے سے کہااور نیپکن سے منہ صاف کیا۔

تبھی پی اے نے آہستہ سے آگے بڑھ کر اطلاع دی،

"سر، آپ کے مہمان آگئے ہیں۔ڈرائنگ روم میں انتظار کر رہے ہیں،انٹرویو کے لیے۔"

انہوں نے سر ہلایا، رومال سے چہرہ صاف کیااور کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"انہیں چائے یاکافی آفر کی جائے۔جب تک میں آتاہوں"

"جی سر۔"

ناول کلب
Clubb of Quality Content!

ملازمین فوراًحرکت میں آگئے۔ڈرائنگ روم میں نفیس صوفے، شیشے کی سنٹر ٹیبل اور تازہ پھولوں کی خوشبوماحول کومزید خوشگوار بنارہی تھی۔

حسن اور حورین قدرے سنجیدہ انداز میں بیٹھے تھے۔حورین نے فائل اپنی گود میں مضبوطی سے تھام رکھی تھی جبکہ حسن ارد گرد کی شان وشوکت کو خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔

ان کے سامنے ایک نفیس ٹرے میں کافی کے دو کپ رکھے گئے، ساتھ خستہ بسکٹ اور چند لوازمات سجے ہوئے تھے۔حسن نے کپ اٹھا کر ہلکا سا گھونٹ لیا، جبکہ حورین نے بس شکریہ میں سر ہلادیا۔

چند لمحوں بعد دروازہ کھلا۔ایک پُر وقار شخصیت بلیک کوٹ پینٹ میں اندر داخل ہوئی۔چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ،انداز میں اعتماد۔حورین فوراً ادب سے کھڑی ہو گئی جبکہ حسن ذرا سی بے زاری کے ساتھ اٹھا۔دونوں نے سلام کیا۔

"آپ کو زیادہ انتظار تو نہیں کروایا؟"

حسن نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالی اور لاپرواہی سے کہا:

"جی،یہی کوئی تیس منٹ۔"

"کوئی بات نہیں سر،وی نیور مائنڈ۔"

حورین فوراً بیچ میں بولی اور ساتھ ہی حسن کو آنکھیں دکھائیں۔مگر وہ تو جیسے ڈھیٹ تھا،خاموشی سے مسکرا دیا۔

Clubb of Quality Content

فرحان عالمگیر آہستہ سے مسکرائے اور سامنے بیٹھ گئے۔

انٹرویو شروع ہوا۔

حورین نے چند بنیادی سوالات کیے شہر کی ترقی،نئے منصوبے، تعلیم اور صحت کے بارے میں۔وہ تحمل سے جواب دیتے رہے۔کمرے کا ماحول رسمی اور متوازن تھا۔

پھر حسن نے کافی کا کپ میز پر رکھا اور تھوڑا آگے جھک آیا۔

"سر، کراچی آپ کا شہر ہے۔آپ نے کہا تھا اسے بنانا سنوارنا آپ کی ذمہ داری ہے۔ مگر ابھی چند ہفتے پہلے ایک بچہ کھلے مین ہول میں گر کر جاں بحق ہو گیا۔اس پر آپ کیا کہیں گے ؟"

کمرے کی فضا یکدم سنجیدہ ہو گئی۔

انہوں نے چند لمحے حسن کو دیکھا، پھر قدرے سنجیدگی سے بولے،

"دیکھیں، ہم اپنا کام کر رہے ہیں۔یہ اکثر نشئی لوگ ہوتے ہیں جو رات کے وقت ڈھکن اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ویسے بھی یہ براہِ راست ہمارا کام نہیں، یہ کے ایم سی کا دائرہ اختیار ہے۔"

حسن نے کافی کا کپ میز پر رکھا، دونوں ہاتھ باندھتے ہوئے سیدھا ان کی آنکھوں میں دیکھا۔

"سیریسلی سر۔۔یہ آپ کا کام نہیں ؟"

فضا مزید بھاری ہو گئی۔حورین نے ہلکا سا کھانس کر ماحول کو نرم کرنے کی کوشش کی۔

"سر، حالیہ ترقیاتی منصوبوں میں سب سے بڑا چیلنج کیا رہا؟"

اس نے فوراً موضوع بدل دیا۔

انہوں نے بھی اسی نرمی سے جواب دینا شروع کیا۔دو تین عمومی سوالات اور ہوئے، رسمی مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا، اور پھر انٹرویو اختتام کو پہنچا۔

"تھینک یو فار یور ٹائم، سر۔"

"مائی پلیژر۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ مصافحہ ہوا۔

باہر نکلتے ہی حورین نے تیز قدموں سے چلتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا،

"تمہیں ہر بار تیس مار خان بننا ضروری ہوتا ہے؟"

حسن نے کندھے اچکائے۔

"میں نے صرف سوال پوچھا تھا۔"

"ہر سوال کا ایک وقت اور انداز ہوتا ہے، حسن!"

وہ رک کر اس کی طرف مڑا۔

"اور کچھ سوال ایسے ہوتے ہیں جنہیں پوچھنا ضروری ہوتا ہے، چاہے فضا کتنی ہی خطرناک کیوں نہ ہو جائے۔ اور ویسے بھی ایسے لوگوں کو ان سوالات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

حورین چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ پھر بغیر کچھ کہے آگے بڑھ گئی۔

پیچھے میئر ہاؤس کی سنہری دیواریں بدستور ویسی ہی چمک رہی تھیں۔

"ایمرجنسی ہے، روم نمبر سترہ کے پیشینٹ کی حالت قابو سے باہر ہو گئی ہے۔"

Alamgir Psychiatric Hospital کی طویل راہداریوں میں یہ آواز بجلی کی طرح دوڑ گئی، نرسوں کے قدموں کی چاپ تیز ہو گئی اور شیششے کے دروازے کے پیچھے موجود مریضہ کی بے ربط چیخیں فضا میں گونجنے لگیں۔

روم نمبر سترہ کے اندر ایک مریضہ اپنے بال نوچتی، دیواروں پر ہاتھ مارتے ہوئے وحشیانہ انداز میں ہنس رہی تھی۔اس کی آنکھوں میں خوف اور جنون کی ملی جلی چمک تھی، جیسے وہ کسی ان دیکھے دشمن سے لڑ رہی ہو۔دو وارڈ بوائے اسے قابو میں کرنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن وہ غیر معمولی قوت سے خود کو چھڑا رہی تھی۔

پھر اچانک راہداری کے آخری موڑ پر وہ نمودار ہوئی——لائلک رنگ کا نفیس سوٹ، اس پر بے داغ سفید کوٹ۔ہاتھ میں پکڑی فائلز اور سنہرے بال ڈھیلے سے جوڑے میں سمیٹے ہوئے۔اس کی سبز چمکتی آنکھوں میں اعتماد تھا اور ہائی ہیلز کی باقاعدہ گونجتی ہوئی ٹک ٹک سنگِ مرمر کے فرش پر ایک منظم اعلان کی طرح پھیل رہی تھی۔

جوں ہی وہ منظرِ عام پر آئی، عملے کی سرگوشیاں خودبخود مدھم پڑ گئیں۔ نظریں جھک گئیں اور راستے خودبخود بن گئے۔اب فضا میں صرف اس مریضہ کی چیخیں تھیں، اور روم نمبر سترہ کے باہر کھڑی وہ شخصیت جسے سب ایک ہی نام سے جانتے تھے——ڈاکٹر زرتاشہ عالمگیر۔

ایک بااثر سیاستدان کی بیٹی ہونے کے باوجود اس کی شخصیت میں غرور کا شائبہ تک نہ تھا۔نرم مگر مضبوط لہجہ اور آنکھوں میں گہری سنجیدگی۔

وہ کمرے میں داخل ہوئی تو مریضہ کی چیخ یکایک مزید بلند ہو گئی جیسے کسی انجانے خوف نے اسے گھیر لیا ہو۔زرتاشہ نے ایک لمحے کو بھی گھبراہٹ ظاہر نہ کی۔وہ آہستہ آہستہ اس کے قریب بڑھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا:

"کوئی تمھیں نقصان نہیں پہنچا رہا میں ہوں یہاں۔۔ٹھیک ہے ریلیکس۔۔"

عجیب بات تھی وہی مریضہ جو چند لمحے پہلے چار لوگوں سے قابو میں نہیں آ رہی تھی،اب زرتاشہ کی آواز سن کر ساکت ہونے لگی۔اس کی سانسوں کی شدت کم ہوئی اور ہاتھوں کی تھرتھراہٹ دھیمی پڑ نے لگی۔

کمرے میں موجود سب افراد دم بخود تھے۔

زرتاشا نے نرس کو اشارہ کیا،انجیکشن دیا گیا،اور چند ہی لمحوں میں وہ مریضہ نیم بے ہوشی کی حالت میں بستر پر ڈھے گئی۔

فضا میں ایک عجیب سا سکوت چھا گیا۔

Clubb of Quality Content

مگر زرتاشہ کی نظریں مرتضیٰ کے چہرے پر یوں ٹھہری تھیں جیسے وہ اس کی بے ترتیب حرکات نہیں اس کے اندر کے بکھرے خوف تک پہنچ رہی ہو۔اس کی آنکھوں میں محض ہمدردی نہیں تھی بلکہ وہاں ایک ماہر معالج کی باریک بین سنجیدگی تھی——جو چیخوں کے پیچھے چھپی کہانی کو پڑھ سکتی تھی۔

وہ آہستہ سے سیدھی ہوئی، فائل کو سنبھال کر بند کیا اور ایک لمحے کو گہری سانس لی۔اس کے چہرے پر نہ فتح کا تاثر تھا اور نہ ہی اضطراب——صرف پیشہ ورانہ سکون۔

پھر وہ مڑی، سفید کوٹ کی ہلکی سی جنبش کے ساتھ اس کے قدم دروازے کی سمت اٹھے۔راہداری میں دوبارہ وہی باوقار ٹک ٹک گونجنے لگی۔اور کمرے کے اندر رہ جانے والی فضا اس کے پیچھے ایک خاموش احترام میں ڈھل گئی۔

اب وہ مین کاؤنٹر کے پاس کھڑی تھی اور مریضوں کی تفصیلات لے رہی تھی۔لمبی، خوبصورت انگلیوں کے درمیان ایک پینسل تھامی ہوئی تھی جسے وہ کبھی کبھار ہلکے سے گھمادیتی۔

"مس شائستہ کی میڈیکیشن ریسپانس کیسا ہے اب؟"

اس نے سامنے کھڑے جونیئر ڈاکٹر سے نرمی سے پوچھا۔

"میم، پچھلے ہفتے سے کافی بہتر ہیں۔نیند بھی ریگولر ہو گئی ہے۔"

وہ سر ہلا کر مسکرائی۔

"گڈ۔لیکن تھراپی سیشنز کم مت کیجیے گا۔ان کو اموشنل سپورٹ کی زیادہ ضرورت ہے۔

پاس سے گزرتے جونیئر ڈاکٹرز ایک لمحے کو رک کر اسے ضرور دیکھتے۔

شاید اس کی سنہری مائل رنگت کی وجہ سے...

یا اس کا وقار بھرا انداز جو خود دوسروں کو اپنی جانب متوجہ کرتا تھا...

یا پھر وہ نرم لہجہ جو کسی مرہم کی طرح دلوں پر رکھا جاتا تھا۔

"میم، آج جو نئے ایڈمیشنز ہیں ان کی فائلز آپ کے آفس میں رکھوا دی ہیں۔ اور ریگولر پیشنٹس کی لسٹ بھی اپڈیٹ ہو گئی ہے۔"

اس نے پنسل کو رکھتے ہوئے پوچھا،

"اچھا، اس ہفتے کتنے سٹیبلائز ہوئے؟"

"تین میم۔ باقی دو کو مزید آبزرویشن کی ضرورت ہے۔"

وہ ہلکے سے مسکرائی۔

"اوکے۔ میں خود دیکھ لوں گی۔"

اتنا کہہ کر وہ آہستہ قدموں سے اپنے آفس کی طرف بڑھ گئی۔

اس کا آفس بھورے اور بیج رنگ کے امتزاج سے سجا ہوا تھا۔ دیواریں نرم شیڈ میں ڈوبی ہوئی تھیں اور بڑی سی کھڑکی (جس سے سبز لان کا پُرسکون منظر دکھائی دیتا تھا) سے دھوپ شیشے سے چھن کر اندر آتی اور کمرے کو ہلکی سنہری روشنی میں نہلا دیتی۔

ڈیسک پر اس کا لیپ ٹاپ، چند منظم فائلیں اور پین ہولڈر رکھا تھا...اور ایک فریم میں جڑی تصویر تھی جس میں وہ خود کھڑی تھی جبکہ اس کی بچپن کی سہیلی اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھے بے فکری سے مسکرا رہی تھی، جیسے وقت نے اُس لمحے کو وہیں تھام لیا ہو۔

ڈیسک کے سامنے دو آرام دہ کرسیاں رکھی تھیں، جہاں اکثر مریض بیٹھ کر اپنی کہانیاں سناتے تھے۔

وہ کرسی پر بیٹھی تو اس کی نظریں ایک لمحے کو اس تصویر پر ٹھہریں۔

سبز آنکھوں میں ہلکی سی چمک اتر آئی۔

زرتاشہ نے گہرا سانس لیا، فائل کھولی اور ایک اور دل کے بکھرے ہوئے ٹکڑے جوڑنے کے لیے خود کو تیار کر لیا۔

ہفتہ میں دو دن وہ خود ریگولر پیشنٹس کو اٹینڈ کرتی تھی۔ ہر ایک کی بات سنتی۔۔ کبھی کبھی ہلکی سی مثال دے کر انہیں حوصلہ بھی دیتی۔

آج اس کے سامنے ایک دبلی پتلی سی لڑکی بیٹھی تھی۔ عمر یہی کوئی بیس، انیس سال۔ ہاتھ بار بار آپس میں مسل رہی تھی، نظریں جھکی ہوئی، سامنے دیکھنے کی ہمت جیسے کہیں کھو گئی ہو۔

ڈاکٹر زرتاشہ نے نرم لہجے میں فائل بند کی۔

"شزرا...یہی نام ہے نا آپ کا؟"

لڑکی نے آہستہ سے سر ہلایا۔

"کیسی ہیں آپ؟اور آج کل کیا کر رہی ہیں؟"

جی...میں پڑھتی تھی..."وہ دھیرے سے بولی۔

"تھی؟مطلب اب نہیں پڑھ رہیں؟"

زرتاشہ کی سبز آنکھیں اس کی ہر حرکت نوٹ کر رہی تھیں۔

کانپتی انگلیاں، بے ترتیب سانسیں، پلکوں کی غیر معمولی جنبش۔

"کیونکہ...مجھے ڈاکٹر نہیں بننا..."

"کیوں؟"

لڑکی نے کندھے اچکائے۔

"پتا نہیں..."

کمرے میں چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی۔ باہر لان میں ہلکی ہوا درختوں کو ہلا رہی تھی۔

زرتاشہ نے کرسی پر تھوڑا سا آگے جھک کر کہا،

"آپ مجھ سے شیئر کر سکتی ہیں۔ میں کسی کو نہیں بتاؤں گی۔"

اتنا سننا تھا کہ لڑکی نے اچانک دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ کر رونا شروع کر دیا۔

آواز کانپنے لگی۔

"مجھے خون سے ڈر لگتا ہے...مجھے لگتا ہے سب دوبارہ ہو جائے گا..."

زرتاشہ نے فوراً ٹیبل سے ٹشو اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔

"یہ صرف آپ کا ڈر ہے۔ وہ ڈر جو آپ کو اس دنیا میں سروائیو نہیں کرنے دے رہا۔ لیکن کسی بھی چیز میں آپ کا قصور نہیں تھا۔"

لڑکی کی کہانی اسے معلوم تھی۔

تیرہ سال کی عمر میں اس نے اپنی ماں کو ایک خوفناک حادثے میں اپنے سامنے دم توڑتے دیکھا تھا۔

خون، چیخیں، ایمبولینس کی آواز سب اس کے ذہن میں نقش ہو گیا تھا۔

اس وقت کئی مہینوں کی تھراپی کے بعد وہ سنبھل گئی مگر جیسے ہی اس نے میڈیکل کالج جوائن کیا

خون، آپریشن تھیٹر، زخمی مریض۔۔ سب کچھ اس کے اندر دفن خوف کو دوبارہ جگا گیا۔

اسی لیے اس کے والد اسے یہاں لے آئے تھے۔

"شزرا، آپ ڈاکٹر بننا چاہتی تھیں نا؟"

وہ آہستہ سے سر ہلاتی ہے۔

"پھر کسی حادثے کی وجہ سے کیوں ہار مان لی؟ آپ اس دن کی ذمہ دار نہیں تھیں۔ آپ صرف ایک بچی تھیں۔"

لڑکی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"لیکن وہ منظر... ہر بار سامنے آجاتا ہے..."

زرتاشہ کی آواز اور بھی نرم ہو گئی۔

"ادھر دیکھیے میری طرف.. آپ کی والدہ کی وفات کیوں ہوئی؟ کیوں کہ اس وقت ڈاکٹرز کی کمی تھی وسائل کم تھے۔۔"

شزا نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا،

"اب آپ کے پاس یہ موقع ہے کہ اپنی امی کو بچا نہ پانے کا دکھ پیچھے چھوڑ کر، ڈاکٹر بن کر آپ ایسے بچوں کی ماؤں کی جانیں بچانے کی کوشش کر سکتی ہیں جو زندگی اور موت کے بیچ ہوں۔"

اب وہ آنکھیں جو کچھ دیر پہلے مرجھائی ہوئی تھیں ان میں امید کی ایک کرن ابھر آئی تھی۔۔

"اور جہاں تک رہی بات آپ کے خوف کی تو ہم اس منظر کو دھیرے دھیرے کمزور کریں گے۔ یادیں مٹتی نہیں... مگر ان کی شدت کم ہو سکتی ہے۔ آپ مضبوط ہیں، بس ابھی خود کو پہچان نہیں پا رہیں۔"

ان سبز آنکھوں میں نہ کوئی فیصلہ تھا، نہ ترس۔

صرف یقین اور حوصلہ۔

کمرے کی فضا پہلے سے ہلکی ہو چکی تھی۔

زرتاشہ نے مسکرا کر کہا،

"ہم اگلے سیشن میں ایک چھوٹی سی ایکسر سائز کریں گے۔آہستہ آہستہ آپ اپنے خوف کو کنٹرول کرنا سیکھ جائیں گی۔ٹھیک ہے؟"

شزانے کمزور سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلادیا۔

کبھی کبھی...

سب سے بڑا علاج دوا نہیں،

بلکہ کسی کے نرم الفاظ ہوتے ہے۔

سحر پلازا، کراچی کے دل میں ایک ایسا مرکز تھا جو ہر لمحہ زندگی کی دھڑکن سے بھرا ہوا تھا۔سردی کی ٹھنڈی دھوپ میں لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔دکانوں کے اندرون سے آوازیں آرہی تھیں۔بچوں کی ہنسی، چیزیں بیچنے والے کی تیز پکار،اور کھانے پینے کی خوشبو جو ہر جانب پھیل رہی تھی۔

زیادہ تر دکانیں الیکٹرانکس اور کراکری کی تھیں۔کہیں ٹی وی اسکرینز پر رنگ بکھر رہے تھے، کہیں چمکتی ہوئی پلیٹیں اور کپ سجے تھے۔خواتین آپس میں بحث میں مصروف، بچے ایک دوسرے کے پیچھے دوڑتے،اور دکاندار گاہکوں کو لبھانے کی کوشش کرتے۔

اسی شور سے الگ، مین آفس کا بھاری لکڑی کا دروازہ ایک مختلف فضا میں لے جاتا تھا۔اندر سادگی تھی مگر ترتیب ایسی کہ ہر شے اپنی جگہ معنی رکھتی ہو۔دیوار پر لگے سی سی ٹی وی مانیٹرز پر پلازا کے مختلف گوشے دکھائی دے رہے تھے۔ بڑی میز پر فائلیں باقاعدگی سے رکھی تھیں، جیسے ہر کاغذ ایک ذمہ داری ہو۔

کرسی پر بیٹھا وہ شخص بظاہر پرسکون مگر اندر سے بوجھل دکھائی دیتا تھا۔ عمر تیس کے لگ بھگ، سیاہ بال پیشانی پر ہلکے سے جھکے ہوئے، آستینیں کہنیوں تک چڑھی ہوئی۔ نظریں فائل پر تھیں مگر ذہن شاید کہیں اور بھٹک رہا تھا۔

اچانک فون کی گھنٹی نے سکوت کو چیر دیا۔

اس نے اسکرین پر نظر ڈالی——

"Unknown Caller"

چہرے کے عضلات لمحہ بھر کو سخت ہوئے۔ جیسے وہ اس نامعلوم کو پہچانتا ہو۔

"ہاں، ہیلو۔"

دوسری طرف سے بھاری اور کرخت آواز آئی،

"کیا بولا تھا میں نے؟ شرافت سے ایگریمنٹ پر سائن کر دو۔"

اس نے جبڑے بھینچ لیے۔

نولز کلب
Clubb of Quality Content

"میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔ یہ زمین نہیں بکے گی۔ یہاں لوگوں کا روزگار ہے۔ ری ڈیولپمنٹ کے نام پر سب کچھ مسمار نہیں ہونے دوں گا۔"

چند سیکنڈ کی سرد خاموشی۔۔ پھر وہی سخت لہجہ،

"ٹھیک ہے۔ اب جو ہوگا، اس کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔"

کال کٹ گئی۔

کمرے میں عجیب سی خاموشی پھیل گئی۔ باہر شور ویسا ہی تھا، مگر اب سی سی ٹی وی اسکرینز پر چلتی ہر حرکت اسے غیر معمولی لگنے لگی۔ جیسے ہجوم میں کوئی ان دیکھا خطرہ گھل چکا ہو۔

یہ دھمکیاں نئی نہ تھیں۔ مگر آج آواز میں کچھ مختلف تھا—ایک یقینی پن، جیسے فیصلہ ہو چکا ہو۔

وہ کرسی سے ٹیک لگا کر چھت کو دیکھنے لگا۔ پل بھر کو اسے محسوس ہوا کہ شاید وہ تنہا کھڑا ہے—ایک پوری عمارت کے بوجھ تلے۔

چند لمحوں بعد اس نے فون اٹھایا، اسے آن کیا تو موبائیل کی اسکرین روشن ہوئی۔

انگلیاں چند سیکنڈ رکی رہیں، جیسے الفاظ سوچ رہی ہوں۔

پھر اس نے مختصر سا میسج ٹائپ کیا:

"مجھے تم سے ملنا ہے۔ کچھ ڈسکس کرنا ضروری ہے۔"

سینڈ بٹن دبانے کے بعد اس نے موبائل میز پر رکھ دیا۔ کمرے میں خاموشی پہلے سے کہیں زیادہ گہری محسوس ہونے لگی۔ باہر پلازا کا شور بدستور جاری تھا، مگر اسے یوں لگا جیسے وہ سب آوازیں اس تک پہنچتے پہنچتے مدھم پڑ رہی ہوں۔

دیوار پر چلتی اسکرینز کی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی، اور اس کی آنکھوں میں ایک لمحاتی الجھن ابھری۔۔ جیسے وہ کسی ان دیکھے موڑ کو محسوس کر رہا ہو۔

کمرے کا سکوت غیر معمولی تھا—ایسا سکوت

جو اکثر کسی بڑے فیصلہ کن لمحے سے پہلے اترتا ہے۔

وہ دونوں کراچی کے ایک ریسٹورینٹ "ٹیریزا" کی کھلی چھت کے نیچے کرسیوں پر آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ ارد گرد سجے سرسبز پودے ہوا کے ہلکے لمس سے مدھم جنبش میں تھے۔ نفیس انداز میں رکھی گہرے رنگ کی کرسیاں اور سفید میزیں اس مقام کی شائستگی کو مزید نمایاں کر رہی تھیں۔

اوپر کھلا آسمان اپنی وسعت سمیت پھیلا ہوا تھا، جبکہ سرد ہوا کے نرم جھونکے فضا میں ایک خنک تازگی گھول رہے تھے۔ ریسٹورینٹ میں لوگوں کی ہلکی چھمگوئیاں پھیلی ہوئی تھیں اور ساتھ ہی برتنوں کی آوازیں اور مختلف کھانوں کی خوشبوئیں فضا میں بکھری ہوئی تھیں۔

"بات دھمکیوں تک آگئی ہے۔۔۔"

سامنے بیٹھا شخص حسن سے مخاطب ہوا۔ حسن اس کی آواز میں چھپی پریشانی کو باخوبی بھانپ چکا تھا۔

"تمھیں لگتا ہے وہ لوگ کچھ کریں گے؟ میرے خیال سے وہ صرف تمھیں ڈرا رہے ہیں، اگر کچھ کرنے کا آرادہ ہوتا تو بہت پہلے کر دیتے۔"

حسن نے اس کو تسلّی دیتے ہوئے کہا اور بے فکری سے کافی کا ایک گھونٹ بھرا۔

"حسن میں نہ ڈرتا۔۔ پر اس کی آواز میں بہت یقین تھا۔"

وہ شخص آگے جھک کر پریشانی سے بولا۔

"فراز وہ یہی چاہتے ہیں کہ تم ڈر جاؤ اور کانٹریکٹ سائن کر دو۔۔"

حسن نے ایک گہرا سانس لیا اور اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔

"لیکن میں پھر بھی دیکھتا ہوں اس معاملے کو۔۔"

اس نے مزید کہا جس سے فراز کو کچھ حوصلہ ملا۔

"مجھے ابھی تک پانچ کالز آچکی ہیں۔۔ اور ہر دفعہ نمبر الگ ہوتا ہے۔"

فراز نے یہ کہتے ہوئے اپنا موبائیل آگے بڑھایا اور کال لاگ دیکھائی جس میں ہر کال ایک الگ نمبر سے کی گئی تھی۔

حسن نے کافی کا کپ ٹیبل پر رکھا اور تھوڑا آگے جھگ آیا،

تم پریشان نہیں ہو، ابھی جس نمبر سے کال آئی تھی وہ سینڈ کرو میں دیکھتا ہوں۔"

Clubb of Quality Content

پھر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد دونوں اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

ہائی وے پر راتیں ہمیشہ عام راتیں نہیں ہوتی کچھ راتیں اپنے اندر کئی فیصلے چھپا کر لاتی ہیں۔۔ پیٹرول پمپ کی سفید روشنی دور سے ہی رات کے اندھیرے کو کاٹ رہی تھی۔ وہ اپنی سیاہ گاڑی کے اندر ڈرائیونگ سیٹ پر سکون سے بیٹھا تھا۔ ایک ہاتھ اسٹیئرنگ پر ٹکا ہوا جبکہ نگاہیں سامنے خالی سڑک پر جمی ہوئیں۔ پورا دن عدالت کی سخت فضا میں گزارنے کے بعد اس کے چہرے پر نہ تھکن تھی نہ بیچینی، صرف وہی سنجیدہ وقار جو برسوں سے اس کی پہچان بن چکا تھا۔ پھر اس نے گاڑی پیٹرول پمپ پر لا کر روکی اور گاڑی سے باہر نکل آیا۔ تبھی اس کے کانوں میں قریب کھڑی ایک پرانی وین سے ابھرتی مدھم آوازیں ٹکرائیں۔

"جلدی نکلو یہاں سے زیادہ دیر رکے تو مسئلہ ہو جائے گا۔۔ بچہ ویسے ہی ہوش میں آنے والا ہے۔"

دوسرے شخص نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ جواب دیا،

"فکر نہ کرو اس شہر میں آج تک کوئی ہمارا راستہ نہیں روک سکا۔"

آوازیں سن کر اس کی پلکیں ایک لمحے کو ساکت ہو گئیں مگر چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ اس کی نگاہیں آہستہ سے اٹھی اور برابر میں کھڑی وین کے ریئر ویو مرر پر ٹھہریں، جہاں وین کی پچھلی کھڑکی کے اندھیرے میں ایک ننھا سا سایہ بے حرکت پڑا تھا۔

تبھی اس وین کی فلیش لائیٹس چمکیں اور وہ آہستہ آہستہ پیٹرول پمپ سے نکل کر ہائی وے پر تیزی سے دوڑنے لگی۔ وہ فوراً اپنی گاڑی میں سوار ہوا، بغیر کسی جلد بازی کے چابی گھمائی اور انجن کی مدھم گرج اس خاموش فیصلے کی پہلی گواہی بنی، اور اسی لمحے ایک پراسیکیوٹران کے پیچھے روانہ ہو چکا تھا۔

اب ہائی وے پر دو گاڑیاں تھیں — ایک آگے، ایک پیچھے اور ان کے درمیان فاصلہ طویل تھا۔

آگے دوڑتی سفید وین بے خبری میں رفتار بڑھا رہی تھی جبکہ اس کے پیچھے آتی سیاہ ایس یو وی خاموشی سے اس کے تعاقب میں تھی۔ اس کے ہاتھ مضبوطی سے اسٹیئرنگ پر جمے تھے اور نظریں سامنے موجود ہدف پر ٹکی ہوئی تھیں۔

چند لمحوں بعد آگے جاتی وین نے اچانک لائین بدلی۔

شاید انہیں شک ہو چکا تھا۔

اس کی آنکھوں میں ایک ہلکی سی چمک ابھری۔

"اچھا تو تمھیں احساس ہو گیا۔۔"

اس کے ہونٹوں سے یہ الفاظ بمشکل سرگوشی کی صورت میں نکلے اور اگلے ہی لمحے اس لے ایکسلریٹر پر دباؤ بڑھایا۔ انجن کی گرج گہری ہو گئی اور سیاہ کار فاصلے کو نگلنے لگی۔

اسپیڈومیٹر کی سوئی اوپر چڑھنے لگی...80...100...120...

اب دونوں گاڑیوں کے درمیان صرف چند میٹر کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

Clubb of Quality Content

اچانک وین کی کھڑکی سے ایک چہرا باہر نکلا جو کالے رومال سے ڈھکا ہوا تھا۔اور نگاہیں پیچھے آتی سیاہ کار پر جمی تھیں۔

اور پھر—ایک چمک۔

پستول کی دھات ہیڈلائیٹس کی روشنی میں چمکی۔ مگر اس سے پہلے کے وہ نقاب پوش ٹریگر دباتا اس نے اسٹیئرنگ کو ایک ماہرانہ جھٹکے سے دائیں موڑا۔اسکی کار تیزی سے دوسری لائین میں آگئی جبکہ گولی ہوا کو چیرتی ہوئی خالی سڑک پر گم ہو گئی۔

اس حرکت سے نہ اس کی رفتار کم ہوئی نہ اس کے حوصلے میں کوئی لغزش آئی۔

اس نے ایک لمحے کے لیئے ڈیش بورڈ پر پڑے فون پر نظر ڈالی۔کال پہلے ہی جا چکی تھی، مدد راستے میں تھی۔

مگر وہ جانتا تھا،

یہ انجام وہ خود لکھے گا۔

پھر اس نے فیصلہ کر لیا۔

اس نے اسٹیئرنگ پر اپنی گرفت مزید مضبوط کرلی اور ایک لمحے بعد گاڑی کو ہلکے زاویے سے دائیں لائین میں نکالا۔

سیاہ ایس یو وی اب وین کے برابر آرہی تھی اور کچھ ہی دیر میں دونوں گاڑیاں ساتھ ساتھ تھیں۔

اتنی قریب کہ اگر اسٹیئرنگ ایک انچ بھی بے قابو ہوتا تو دھات سے ٹکرا جاتی۔

وین کے اندر بیٹھے آدمی نے چونک کر اسے دیکھا مگر اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا۔

اسی لمحے—

اس نے ایکسلریٹر کو پوری قوت سے دبا دیا۔

انجن دھاڑا—

اور ایس یو وی اچانک آگے کو لپک کر وین کو پیچھے چھوڑتی اس کے سامنے آ گئی۔

اور پھر ایک تیز ماہرانہ حرکت۔

اس کے ہاتھوں نے اسٹیئرنگ کو پوری طرح دائیں جانب گھما دیا۔

ٹائر سڑک پر پوری قوت سے رگڑے۔

چرررررررر—

اور جلتی ربڑ کی تیز بو فضا میں پھیل گئی۔

ایس یو وی ترچھی ہو کر وین کے عین سامنے آ رکی۔

اتنی قریب کے دونوں کے درمیان صرف چند انچ کا فاصلہ رہے گیا۔

یہ دیکھ کر وین ڈرائیور نے گھبرا کر بریک لگائے اور وین بھی ایک چرچراہٹ کے ساتھ جھٹکے سے رک گئی۔

Clubb of Quality Content

ایک لمحے کے لیئے ہر چیز ساکت ہوگئی—

صرف انجن کی بھاری سانسیں اور ہوا کی سرد سرسراہٹ باقی تھی۔

ایس یو وی کے اندر اس کے ہاتھ اب بھی اسٹیئرنگ پر مضبوطی سے جمے ہوئے تھے۔

اس کا سانس ہلکا سا اوپر نیچے ہو رہا تھا پر چہرہ—بدستور پر سکون۔

اس نے آہستہ سے سر اٹھایا تو اسٹریٹ لائٹ کی زرد روشنی میں اس کے نقوش ہلکے واضح ہوئے۔

سرمئی آنکھیں اور اس پر خم دار پلکیں، گھنے آئیبروز اور کٹاؤ دار ہونٹ اس کے چہرے کو پر کشش بناتے تھے۔

اس کے ماتھے پر بکھرے کالے ویوی بال بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔

وہ گہرے نیلے رنگ کی پینٹ اور سفید بے داغ شرٹ جس پر گہرے نیلے رنگ کا کوٹ زیب تن کیئے ہوئے تھا اور کلائی پر چاندی رنگ کی گھڑی جو اس پر خوب جچ رہی تھی۔

اس نے سر اٹھا کر سامنے دیکھا—

وہ سامنے رکی وین کا راستہ روکے کھڑا تھا۔

کمرا تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ کھڑکی سے چھن کر آتی چاند کی مدھم روشنی فرش پر بکھر رہی تھی، جبکہ میز پر رکھا واحد لیمپ اپنے محدود دائرے میں روشنی قید کر رہا تھا۔ اور اسی روشنی میں اس کے نقوش

کسی سنگِ مرمر کے بے رحم مجسمے کی مانند نمایاں تھے۔بلند گالوں کی ہڈیاں، سیدھے بال کمر پر بکھرے ہوئے اور وہ آنکھیں—— سرد، بے حس جیسے احساس نام کی کبھی کوئی چیز وہاں موجود ہی نہ رہی ہو۔

سفید شرٹ زیب تن کیئے اس پر سیاہ لانگ کوٹ میں وہ کرسی سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ہاتھوں میں سیاہ دستانے اور ان دستانوں میں لپٹی انگلیاں جو میز پر رکھی فائیل پر آہستہ آہستہ حرکت کر رہی تھیں——اس کی ہر چال اتنی پرسکون تھی کہ جیسے وہ کاغذ نہیں کسی کی قسمت پلٹ رہی ہو۔

اس کے چہرے پر سفاکی صاف جھلک رہی تھی۔اس کی پلکیں بہت کم جھپکتی تھیں پر جب جھپکتیں تو یوں لگتا جیسے کوئی فیصلہ ہو چکا ہو۔

فون کی آواز کمرے میں گونجی مگر اس کے وجود میں کوئی ارتعاش پیدا نہ کر سکی۔اس کی نظریں آہستہ سے فون کی جانب بڑھیں۔چند لمحے اس نے اسے بجنے دیا کیوں کہ وہ ہر چیز کو اپنے حساب سے کرتی تھی۔

پھر اس نے سیاہ دستانوں میں لپٹی انگلیوں سے فون اٹھایا۔دوسری جانب سے کہا گیا جملہ اس کے چہرے پر ایک پراسرار مسکراہٹ بکھیر گیا۔

"فنش اٹ۔۔"

اس کی سرد آواز کمرے میں گونجی۔ آنکھوں میں ایک چمک سی دوڑ گئی اور چہرے پر وحشیانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا، گاڑی سے اترا اور اپنے کوٹ کے بٹن کھول کر اسے گاڑی میں ڈال کر دروازہ بند کر دیا۔

سامنے وین سے بھی دو آدمی باہر آئے۔

ایک لمبا تھا اور دوسرا درمیانے قد کا۔ لمبے والے کے ہاتھ میں پستول تھی جبکہ دوسرے آدمی کی جیب سے چاقو کا اوپری حصّہ دیکھائی دے رہا تھا۔ دونوں کے چہرے رومال سے ڈھکے ہوئے تھے۔

ایک ہی نظر میں وہ اپنی گہری آنکھوں سے سب ذہن نشین کر چکا تھا۔

"نوجوان ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ نہیں تو اچھا نہیں ہو گا۔"

درمیانے قد والے نے رعب دار آواز میں دھمکی دیتے ہوئے کہا پر اس پر جوں تک نہ رینگی اور وہ بدستور ہاتھوں کو پینٹ کی جیب میں ڈالے ویسے ہی کھڑا رہا۔

لمبے والے نے اپنا ہاتھ اٹھایا۔

نوجوان کی نگاہیں اس کے ہاتھ کا تعاقب کرنے لگیں۔

اس نے پستول کا رخ سامنے کی جانب کر دیا۔

Clubb of Quality Content!

وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔

نقاب پوش نے اپنی انگلی سے ٹریگر دبا دیا۔

دھماکے کی آواز پورے ہائی وے پر گونج گئی۔

پر اس بار بھی گولی فضا میں کہیں گم ہو گئی کیوں کہ وہ بجلی کی سی تیزی سے نیچے جھک چکا تھا۔

اس سے پہلے کہ سامنے والا شخص دوسری گولی چلاتا وہ پھرتی سے اٹھا اور اپنی کار کی بیک سائیڈ کی جانب دوڑا۔

نقاب پوش نے اس کے تعاقب میں دو قدم آگے بڑھائے اور گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔

نوجوان اپنا بچاؤ کرنے لگا۔

گولیاں ایس یو وی پر مستقل چل رہی تھیں اور ماحول کو خوفناک بنا رہی تھیں۔ ہر گولی پر ایک ہولناک آواز فضا میں سناٹے کو چیر رہی تھی، اور پھر اچانک گولیوں کی آواز بند ہو گئی۔ ہائی وے پر دوبارہ وہی سنسنی خیز خاموشی چھا گئی۔

وہ نوجوان اس خاموشی پر دوسری جانب سے گاڑی کے پیچھے سے نکلا۔

اب اس کے سامنے وہ درمیانہ قد نقاب پوش کھڑا تھا جبکہ اس کی دائیں جانب خالی پستول پکڑے دوسرا شخص۔

سامنے کھڑے شخص نے جیب سے چاقو نکالا اور پوری قوت سے نوجوان کی جانب بڑھا پر وہ ایک سائیڈ ہٹ گیا۔اس شخص کو نوجوان پر بہت غصّہ آیا۔

وہ پلٹا۔۔اور دوبارہ پوری شدت سے اس کی طرف بڑھا۔

جیسے ہی وہ قریب پہنچا، نوجوان نے اس کا وہ ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا جس میں چاقو تھا اور پوری طاقت سے موڑ دیا۔ہڈیوں کے چرچرانے کی آواز کے ساتھ چاقو اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر جا گرا۔اور اس کے منہ سے ایک دل خراش چیخ نکل کر سرد فضا میں گونجی۔اور اس ایک لمحے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ نوجوان آگے بڑھا اور ایک لات پوری قوت سے اس سامنے کھڑے شخص کے منہ پر دے ماری۔

وہ پیچھے جا گرا کہ تبھی برابر میں کھڑا آدمی تیزی سے آیا اور اس پر پستول سے وار کرنے کی کوشش کی پر نوجوان ایک جھٹکے سے پیچھے ہو گیا اور اپنا گھٹنا اس کے منہ پر دے مارا جس سے وہ آدمی چکرا کر پیچھے ہٹ گیا۔

آہہ..."اس کی سسکی فضا میں تحلیل ہو گئی۔

"کافی عرصے سے وارم اپ نہیں کیا تھا پھر بھی دو منٹ اور بیس سیکنڈ میں دو گنڈوں کو ڈھیر کر دیا۔"

وہ نوجوان گھڑی کو دیکھتے ہوئے فاتحانہ مسکراہٹ چہرے پر سجا کر بولا۔

موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک شخص اٹھا اور نوجوان کے منہ پر گھونسا مارنا چاہا پر نوجوان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر جھٹک دیا اور ساتھ ہی ایک زبردست گھونسا اس کے چہرے پر جڑ دیا۔ وہ کرہا کر پیچھے ہٹا اور آدمی کی ناک سے خون بہنے لگے۔

"آرام سے یار ا بھی لگ جاتی مجھے۔"

نوجوان نے فکرمندی سے اپنی آستینوں کو جھٹکتے ہوئے کہا۔

اب اس کے سامنے دونوں زمین پر پڑے ہوئے تھے کہ تبھی ایک شخص غصّے سے چلایا،

"ہو کون تم؟ جانتے بھی ہو ہماری پہنچ کہاں تک ہے؟"

اس سوال پر نوجوان کا قہقہہ سرد رات میں عجیب سا گونج اٹھا۔ وہ بے خوفی سے اس کی طرف بڑھا۔

اسی اثنا میں پولیس گاڑی کا سائرن گونجا۔ نیلی بتیوں کی روشنی گلی کی دیواروں پر لرزنے لگی۔ دونوں نے اٹھ کر بھاگنا چاہا مگر نوجوان نے آگے بڑھ کر دونوں کو ایک ایک ٹھوکر ماری جس سے وہ لوگ واپس زمین پر گر پڑے۔

چند لمحوں بعد پولیس اہلکاروں نے انہیں قابو کر لیا۔ ہتھکڑیاں مضبوطی سے کس دی گئیں۔ اور بچے کو بھی تحویل میں لے لیا تھا۔ پولیس افسر نے آگے بڑھ کر نوجوان سے مصافحہ کیا۔

"آپ نے بہت بہادری دکھائی زاویان صاحب۔ اگر آپ بروقت کارروائی نہ کرتے تو معاملہ بگڑ سکتا تھا۔ شکریہ۔"

دونوں مجرموں کو گاڑی میں بٹھایا جا رہا تھا۔ وہ اب بھی حیرت اور غصے کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ نوجوان کو گھور رہے تھے۔

وہ آہستہ آہستہ ہاتھوں کو جیب میں ڈالے ان کی طرف بڑھا۔ رک کر ایک کے قریب جھکا اور پرسکون لہجے میں بولا،

"تم پوچھ رہے تھے نا۔۔ میں کون ہوں؟"

وہ سیدھا ہوا۔ آنکھوں میں کامیابی کی چمک صاف دکھائی دے رہی تھی۔

"میں اسپیشل سروس پراسیکیوٹر زاویان ملک"

دونوں کے چہروں کا رنگ اڑ چکا تھا۔ پولیس انہیں کھینچ کر گاڑی میں بٹھا رہی تھی اور وہ سکتے کے عالم میں تھے۔ زاویان نے مسکرا کر ہلکا سا ہاتھ ہلایا، جیسے کسی معمولی بات پر الوداع کہہ رہا ہو۔

پھر وہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھا، دروازہ کھولا اور بیٹھنے سے پہلے اپنے کندھے پر خود ہی ہلکی سی تھپکی دی۔

"اُفف... بہت محنت کرلی اِن ہاتھوں نے آج۔ گُڈ ورک!"

ہلکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آئی، گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور سرد رات میں ہیڈ لائٹس کی روشنی کے ساتھ وہ منظر دھیرے دھیرے خاموشی میں ڈوب گیا۔

بیڈ پر لیٹا وجود کمبل سر تک کھینچے گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔ کمرے میں ہلکی سی خاموشی پھیلی تھی جسے صرف دیوار پر لگی وال کلاک کی ٹک ٹک توڑ رہی تھی۔ ملازمہ دو تین بار دروازہ بجا کر جا چکی تھی مگر اندر سے کوئی جواب نہ آیا تھا۔ سامنے لگی گھڑی کی سوئیاں دس کا ہندسہ چھو رہی تھیں۔

ٹن ٹن۔۔۔

فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ آواز اتنی قریب تھی کہ اس کے کانوں سے ٹکرا رہی تھی، مگر اس کے اٹھنے کے آثار دور دور تک نہ تھے۔ کال کرنے والا بھی شاید ڈھیٹ تھا؛ بار بار کال کیے جا رہا تھا۔

چند لمحے گزرے تو کمبل کے اندر ہلکی سی جنبش ہوئی۔ اس نے نیم خوابیدہ انداز میں کمبل سر سے ہٹایا، ہاتھ بڑھا کر سائیڈ ٹیبل پر پڑا فون اٹھایا اور آنکھیں بمشکل کھولتے ہوئے کان سے لگا لیا۔

"کون ہے بھائی جس کو آدھی رات کو بھی چین نہیں۔ ایک بندہ اگر فون نہیں اٹھا رہا تو وہ سو رہا ہو گا نا۔"

وہ بھاری اور بوجھل آواز میں بولا۔

دوسری طرف سے ہنسی کی آواز آئی۔

"او بھائی صبح کے دس بج رہے۔ اس وقت سب اٹھ کر ناشتہ بھی کر چکے ہوتے۔"

اس نے جھٹ سے چہرہ موڑا اور دیوار پر لگی گھڑی کی طرف دیکھا۔ سوئی واقعی دس پر تھی۔ وہ چونک کر سیدھا بیٹھ گیا۔

"اہ۔۔تم نے مجھے اٹھایا کیوں نہیں۔۔"

وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

"کیوں حسن میں تمھارا نوکر تھوڑی ہوں۔"

"ایک منٹ تم ہو کون اور اس وقت کیوں کال کی۔"

وہ فون کان سے ہٹا کر اسکرین پر نام دیکھنے لگا۔

"سمیر بات کر رہا ہوں۔ تم ہی نے کہا تھا جلد از جلد وہ نمبر ٹریس کر کے دو۔"

ادھر سے جھنجھلائی ہوئی آواز آئی۔

"اوہ۔۔پھر کیا بنا؟"

حسن نے آہستہ سے سر سہلاتے ہوئے پوچھا۔

"یار وہ نمبر کسی مرے ہوئے انسان پر رجسٹر ہے، اور میں نے لاسٹ لوکیشن ٹریس کرائی تو وہ ملیر کی آ رہی ہے۔"

"اوہ اچھا۔ ٹھیک ہے، مجھے ڈیٹلز سینڈ کر دو۔ بائے۔"

سمیر شاید کچھ اور کہنا چاہ رہا تھا، مگر حسن نے کال کاٹ دی۔

وہ چند لمحے فون کو دیکھتا رہا، پھر کمبل کو لاپرواہی سے بیڈ پر پھینک کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک طائرانہ نظر اس نے اپنے کمرے پر ڈالی۔

سفید ماربل کا فرش، جس پر ایک طرف جوتے بے ترتیب پڑے تھے اور دوسری جانب کپڑوں کا ڈھیر۔ کچھ دھلے ہوئے کپڑے نیلے رنگ کے صوفے پر سجے ہونے کے بجائے یوں پڑے تھے جیسے ابھی ابھی پھینکے گئے ہوں۔ بڑی سی کھڑکی کے آگے نیلے پردے آدھے کھلے تھے، جن سے دھوپ کی کرنیں اندر آ کر بکھری چیزوں پر پڑ رہی تھیں۔

ڈریسنگ ٹیبل پر پرفیوم کی بوتلوں کے ڈھکن کھلے ہوئے تھے، برش ایک طرف لڑھکا ہوا تھا اور باقی سامان بھی اپنی جگہ سے ہٹا ہوا۔ گویا پورا کمرہ بے ترتیبی کی زندہ مثال بنا کھڑا تھا۔

حسن نے ہلکا سا سر جھٹکا، جیسے اس منظر کا عادی ہو۔ پھر الماری کی طرف بڑھا، جلدی جلدی کپڑے نکالے اور سیدھا واش روم کی طرف چلا گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

میئر فرحان عالمگیر اپنے آفس میں بیٹھے ہوئے تھے ان کا سر سامنے میز پر پڑی فائلز پر جھکا ہوا تھا پھر اُنہوں نے نظریں اٹھا کر میز کے دائیں جانب کھڑے پی اے کو مخاطب کیا۔

"مختار کہی اور سائن تو نہیں کرنا؟"

نہیں سر یہ لاسٹ فائل تھی

انہوں نے سر ہلایا اور ہاتھ سے ہی اسے جانے کا اشارہ کیا اور مختار نے دروازے کی طرف قدم بڑھا دیا

رکو! کل آفیشل ڈنر ہے اسلا آباد میں فلائیٹ کنفرم کروائی

وہ یک دم مڑا اور مودبانہ انداز میں بولا

جی سر کل دوپہر ایک بجے کی فلائٹ ہے اور رات دس بجے آفیشل ڈنر ہے۔

ٹھیک ہے میرا سامان پیک کروادو،اور کل ڈنر میں پہنے کے لیے شلوار قمیض رکھوانا۔

"اوکے سر" یہ کہہ کر وہ آفس سے نکل گیا اس کے جانے کے بعد انہوں نے ایک طائرانہ نظر کمرے میں ڈالی۔

وہ ان کا آفس روم تھا بہت شاندار بنا ہوا ایک طرف کشادہ کھڑکی جہاں سیاہ پردے لٹکے ہوئے تھے کریم کلر کی دیواریں فینسی لائٹس میں چمک رہی تھی اور سنگ مرمر کا خوبصورت فرش۔اور میز پر ترتیب سے رکھی فایلز،اور پین ہولڈر اور نیم پلیٹ جس پر لکھا میئر فرحان عالمگیر دور سے تمتما رہا تھا اور پاکستان کا چھوٹا سا جھنڈا۔کرسی کے اس طرف کتابوں کا خوبصورت ریک تھا۔

حسن سیڑھیاں اترتا ہوا نیچے آیا۔سرمئی شرٹ کے ساتھ سفید بیگی جینز اور سفید اسنیکرز پہنے ہوئے تھا۔ماتھے پر بکھرے بال اور ہاتھ میں گرے اسمارٹ واچ اسے مزید اسمارٹ بنا رہے تھی۔آج اس کا فراز سے ملنے کا موڈ تھا،اسی لیے اس نے اسے صبح ہی میسج بھی کر دیا تھا۔

”گڈ مارننگ ماما جانی... گڈ مارننگ بابا جان!“

سامنے اوپن امریکن کچن میں ناشتہ بناتی اس کی ماں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ وہ کچھ کہنے ہی والی تھیں کہ لاؤنج میں ایل شیپ سوفے پر بیٹھے اس کے باباجان نے ایل ای ڈی سے نظریں ہٹا کر کہا،

"بڑی جلدی نہیں اٹھ گئے برخودار؟"

وہ خسیانی سی ہنسی ہنسا اور ماں کے پاس جا کر بولا،

"کیا بنا رہی ہیں ماما؟"

"وعلیکم السلام... تمہارے لیے آلو کا پراٹھا۔ ہم تو ناشتہ کر چکے، ایک تم ہی ہو گھوڑے بیچ کر سوتے رہتے ہو۔" باباجان نے حسبِ معمول چٹکی لی۔

"اف ایک تو یہ آپ کے میاں نے ہمیشہ مرچیں چبائی رکھی ہوتی ہیں!" وہ مذاق میں بولا۔

اس کی ماں خفگی سے اپنے شوہر کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں،

"آپ تو میرے معصوم بچے کے پیچھے ہی پڑ جاتے ہیں،

امبرین بیگم یہ اور معصوم؟ خدا کا خوف کریں! اب حاشر کو معصوم بولیں تو سمجھ بھی آئے۔ اس کی تو عقل گھٹنوں میں ہے۔"

وہ ہستے ہوئے بولے۔

حسن نے میز پر رکھے پیالے سے سیب اٹھایا، پینٹ سے رگڑ کر صاف کیا اور ایک بائٹ لیتے ہوئے بابا کے ساتھ جا بیٹھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ویسے ہیں کہاں بھائی جان؟"

"چلا گیا آفس... تمہاری طرح فارغ نہیں ہے۔"

اتنے میں اس کی ماں نے ڈائننگ ٹیبل پر ناشتہ لگا دیا۔ حسن ابھی ناشتہ کر ہی رہا تھا کہ اس کا فون بج اٹھا۔

"ہیلو؟ کہاں رہ گئے ہو؟ آج ہفتہ ہے۔ ڈرگ کیس کی اسٹوری کور کرنی تھی، بھول گئے کیا؟"

دوسری طرف حورین کی آواز سنائی دی۔

"ارے ہاں... بس آرہا ہوں۔ اکیلے مت جانا، خطرناک ہے، ساتھ جائیں گے۔"

دوسری طرف چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی، پھر وہ دھیرے سے بولی،

"ہاں... میں راستے میں ہوں۔"

Clubb of Quality Content

"ڈیم اٹ!" حسن بے اختیار بولا۔ جلدی سے نوالہ منہ میں ڈالا، دو تین گھونٹ چائے کے لیے اور اٹھ کھڑا ہوا۔ فراز کو میسج کر کے معذرت کی اور جلدی جلدی باہر جانے لگا۔

"ارے آرام سے!" اس کی ماں نے آواز دی۔

"نہیں ماما، میں جا رہا ہوں... آپ سمیا باجی کو بول کر میرے کمرے کی صفائی کروا دی گا۔ اللہ حافظ!"

اس کے ذہن میں بس ایک ہی خیال تھا، "

حورین اکیلی جا رہی ہے؟ اس کے ہوتے ہوئے؟ نو وے!"

وہ تیزی سے دروازے سے باہر نکل گیا۔ پیچھے اس کی ماں آواز دیتی رہ گئیں اور اس کے ابا نے دوبارہ ایل ای ڈی کی طرف نظریں جمالیں، جیسے یہ سب روز کا معمول ہو۔

"سحر پلازا کی رپورٹز۔"

حاشر نے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے ماہین سے رپورٹز مانگی جب کہ اس کی نظریں لیپ ٹاپ پر ہی جمی رہیں۔

"یہ لیں سر۔"

ماہین نے فرمانبرداری سے فائل آگے بڑھادی۔

"نائس۔ یہ زمین بہت بڑی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ ہمارے نیو پروجیکٹ کے لیئے اس سے بہتر جگہ ہمیں نہیں مل سکتی۔"

حاشر مسکراتے ہوئے پرجوشی سے بولا۔ اس کی مسکراہٹ میں کچھ ایسا تھا جو ماہین کو اندر ہی اندر کھٹکا تھا۔

"پر سر وہ زمین ہماری نہیں ہے۔"

"اف مس ماہین آپ ابھی تک اس ملک کی تھیوری نہیں سمجھی؟"

حاشر کرسی پر ٹیک لگاتے ہوئے بولا۔

"اس ملک میں دو ہی چیزیں سستی ہیں، مس ماہین... ضمیر اور قانون۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ضمیر لوگ خود بیچتے ہیں اور قانون ہم خرید لیتے ہیں۔ یہاں زمین اُس کی نہیں ہوتی جس کے پاس کاغذات ہوں، زمین اُس کی ہوتی ہے جس کے پاس طاقت ہو۔ اور طاقت کے سامنے حق، انصاف اور ملکیت... تینوں سر جھکا دیتے ہیں۔"

حاشر ایک ہی سانس میں سب بول گیا اور ماہین صرف سر جھکائے اور مٹھایاں بھینچ کر سنتی چلی گئی۔

"سچ ہی تو ہے اس ملک کے قانون میں قانون کمزوروں کو روکنے کے لیے ہوتا ہے، طاقتوروں کو نہیں۔"

سحر پلازہ۔ وقت رات نو بجے۔

ہفتے کا دن۔

رات کا وقت تھا۔ شہر کی چار منزلہ بڑی اور روشن شاپنگ مال کی عمارت دور سے ہی جگمگا رہی تھی۔ شیشے کی دیواروں سے نکلتی روشنی ایسے لگتی تھی جیسے اندر کوئی رنگین دنیا آباد ہو۔ دروازے کھلتے ہی ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اور لوگوں کی ہلکی ہلکی آوازیں سحر پلازا میں رونق سی پیدا کر رہی تھیں۔ لوگوں کا ہجوم کم ہوتا جا رہا تھا، کہیں ہنسی کی آوازیں گونج رہی تھیں تو کہیں خریداری میں مصروف لوگ دکانوں سے خریداری کر کے مال سے باہر نکل رہے تھے۔

"شیلہ تم لوگ اندر جاؤ۔ میں ذرا کال سن کر آتا ہوں۔"

فخر نے جیب سے موبائل نکالتے ہوئے جلدی میں اپنی بیوی سے کہا اور مال سے باہر نکل گیا۔

اس کے پیچھے شیلہ اپنی بچی کا ہاتھ تھامے مال کی راہداریوں میں گم ہو گئی یہ جانے بغیر کہ شاید یہ فخر سے اس کی آخری ملاقات تھی۔

دوسری جانب مال کی پہلی منزل پر ایک برائیڈل بوتیک کے سامنے چار پانچ عورتیں کھڑی تھیں۔

ان کے چہروں پر خوشی صاف نظر آ رہی تھی۔ درمیان میں کھڑی عریشہ ہلکے گلابی رنگ کے بھاری کام والے سوٹ کے کپڑے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مسکرا کر بولی؛

"امی دیکھیں نا... کتنا حسین لگ رہا ہے یہ سوٹ۔ بالکل ویسا ہی جیسا میں نے سوچا تھا۔"

"ہاں ہماری عریشہ پر ہر رنگ پیارا لگے گا۔"

اس کی چاچی مسکراتی ہوئے بولیں۔

سب عورتیں ہنس پڑیں اور دکان دار بھی مسکراتے ہوئے مختلف کپڑے نکال نکال کر دکھانے لگا۔ ہر کوئی عریشہ کی شادی کے لیے بہترین لباس چننے میں مصروف تھا۔

اسی دوران مال کی دوسری منزل پر بچوں کے ملبوسات کی دکان میں ایک چھوٹی سی فیملی کھڑی تھی۔

ایک نوجوان شاپنگ بیگز ہاتھ میں تھامے ہوئے تھا جبکہ اس کی بیوی مختلف چھوٹے چھوٹے کپڑے دیکھ رہی تھی۔

"یہ والا دیکھو... کتنا پیارا ہے۔"

فریال نے ایک ننھا سا فراک اٹھا کر اپنے شوہر کو دکھایا۔

ارسلان مسکرایا اور بولا:

"ماشاءاللہ بہت اچھا ہے... پلیز جلدی کرو گھر بھی جانا ہے۔"

جبکہ قدرت کو تو کچھ اور ہی منظور تھا۔

مال کے فوڈ کورٹ میں بھی ہلکی چہل پہل تھی۔ کچھ دوستوں کا گروپ میز کے گرد بیٹھا زور زور سے ہنس رہا تھا۔ ان میں سے ایک لڑکا مزاحیہ انداز میں اپنے دوست کو چھیڑ رہا تھا جس پر باقی سب قہقہے لگا رہے تھے۔

وہیں قریب ایک ادھیڑ عمر جوڑا خاموشی سے بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ عورت کے چہرے پر سکون مسکراہٹ تھی جبکہ مرد کبھی کبھی آس پاس کی رونق کو دیکھ کر سر ہلا دیتا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ دونوں اس شور شرابے میں بھی اپنی الگ سی دنیا میں بیٹھے ہوں۔

مال کی راہداریوں میں بچوں کی دوڑ بھاگ جاری تھی۔ کہیں کوئی بچہ آئس کریم کے لیے ضد کر رہا تھا تو کہیں کوئی کھلونے کی دکان کے سامنے رک کر شیشے کے پار رکھی رنگین گاڑیوں کو حسرت سے دیکھ رہا تھا۔

ہر طرف زندگی کا شور تھا... خوشی، ہنسی، امید اور رنگوں سے بھری ہوئی ایک الگ دنیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اسی شور و غل میں ایک دکان دور سے ہی اپنی شان کا اعلان کر رہی تھی۔ وہ چھوٹی سی دکان سحر پلازا کے گراؤنڈ فلور پر ایک طرف بنی ہوئی تھی۔

باہر سے دیکھنے پر وہ عام سی دکان لگتی تھی، مگر اندر داخل ہوتے ہی ایک عجیب سی تیز کیمیکل کی مہک محسوس ہوتی تھی۔ دکان کی شیلفوں پر رنگ برنگے مصنوعی پھول، پلاسٹک کی سجاوٹی اشیاء اور مختلف ڈبے سجے ہوئے تھے۔ کچھ لوگ ان چیزوں کو غور سے دیکھ رہے تھے جبکہ دکان دار بے پرواہی سے گاہک سے بات کر رہے تھے۔ یہ ان کا روز کا معمول تھا۔

اسی معمول کی زندگی کے ساتھ سحر پلازہ اپنے پورے عروج پر تھا۔ ہر شخص اپنے اپنے کام میں مصروف تھا۔ کسی کو اندازہ بھی نہ تھا کہ اسی ہجوم اور روشنیوں کے بیچ کہیں ایک نظر سب پر خاموشی سے ٹھہری ہوئی ہے۔ گراؤنڈ فلور کے ایک چھوٹے سے کمرے میں بیٹھا فراز سی سی ٹی وی مانیٹرز کے سامنے کرسی پر نیم دراز تھا۔ اس کے سامنے لگی اسکرینز پر مال کے مختلف حصے صاف دکھائی دے رہے تھے — کہیں راہداریوں میں چلتے لوگ، کہیں دکانوں کے سامنے رکتے گاہک، تو کہیں فوڈ کورٹ کی میزوں پر بیٹھے قہقہے لگاتے نوجوان۔

وہ بے فکری سے کبھی اسکرین پر نظریں جماتا تو کبھی ہاتھ میں پکڑے موبائل پر جیسے کسی کال کا انتظار کر رہا ہو اگلے ہی لمحے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور موبائل کی اسکرین پر ایک نام جگمگانے لگا۔ اس

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

نے جھٹ سے کال ریسیو کی تو دوسری جانب سے حسن کی چہکتی ہوئی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی:

"کیسے ہو دوست..."

اسکرین کے ایک حصّے میں مال کا مین گیٹ بھی دیکھائی دے رہا تھا جہاں سے وقفے وقفے سے لوگ آتے ہوئے دیکھائی دے رہے تھے۔

"میں ٹھیک ہوں تم سناؤ۔"

فراز نے اپنا سر کرسی پر ٹکاتے ہوئے کہا۔

اسی لمحے مال میں ایک فیملی داخل ہوئی۔

"میں بھی بلکل فٹ فاٹ۔"

حسن بے فکری سے بولا۔ یہ انداز بھی اسی کا خاصا تھا۔

ایک مرد، دو بچے اور ایک خاتون۔۔۔

"کوئی انفورمیشن ملی؟"

فراز نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

اسی فیملی کے پیچھے ایک اور شخص اندر داخل ہوا۔

"نو بج کر پینتالیس منٹ"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اس کی نگاہیں اب مونیٹر کی اسکرین سے ہٹ چکی تھیں اور وہ مال کے اندر ہونے والے ہر عمل سے مکمل طور پر غافل ہو چکا تھا۔

"ہاں نا تبھی تو تمھیں فون کیا میرے بھائی۔"

حسن نے مسکراتے ہوئے کہا، اس کی مسکراہٹ میں ایک راز چھپا ہوا تھا۔

اس شخص کا حلیہ عام ہی تھا، سفید شرٹ پر بھورے رنگ کی جیکٹ اور بالوں کو ایک کالے کلر کی کیپ سے ڈھکے ہوئے پر اس کے ہاتھ جیکٹ کے اندر تھے جیسے وہ کسی چیز کو مضبوطی سے تھاما ہوا ہے۔

"تو بتاؤ کب ملنا ہے؟"

فراز بھی حسن کی بات سن کر کرسی پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

وہ شخص سحر پلازا میں داخل ہوا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا جیسے کسی چیز کو تلاش کر رہا ہو اور اگلے ہی لمحے اس کی نگاہیں فلاور شاپ پر جا ٹھہریں—اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ بکھر گئی ایک خوفناک مسکراہٹ۔۔۔

"اس سیٹرڈے کو۔۔"

حسن نے دوٹوک جواب دیا جیسے حکم دے رہا ہو۔

وہ اپنے قدموں کی چاپ دھیمی رکھتے ہوئے اس دکان میں داخل ہوا۔

"جو حکم آپ کا جناب۔"

فراز نے بھی سنجیدگی سے کہا تو دوسری جانب سے قہقہے کی آواز آئی اور خدا حافظ کے کلمات کے ساتھ فون بند ہو گیا۔

دکان میں داخل ہوتے ہی وہ ایک ایک نقلی پھول کو اپنی انگلیوں کے پوروں سے چھو کر دیکھنے لگا۔

فراز نے فون ٹیبل پر رکھا اور بلآخر مونیٹر کی اسکرین پر نظریں جما دیں۔ ہر چیز معمول کے مطابق چل رہی تھی۔ اس نے ایک ایک کر کے ہر سی سی ٹی وی فوٹیج کو دیکھا اور کچھ بھی غیر معمولی نہ پا کر اپنی نگاہیں اسکرین سے ہٹا دیں۔ تبھی وہ شخص فلاور شاپ سے نکلا اور آہستہ قدموں سے مال سے باہر نکل گیا۔ وہ شخص باہر کی بھیڑ میں یوں گم ہو گیا جیسے کبھی آیا ہی نہ ہو۔ سحر پلازا اپنی معمول کی رونق میں ڈوبا ہوا تھا اور کسی کو خبر تک نہ تھی کہ اس کے اندر ابھی ابھی تباہی کا بیج بویا جا چکا ہے۔

"کام ہو چکا ہے باس۔"

موبائل کی گھنٹی بجنے پر جب اس نے کال اٹھائی تو دوسری جانب سے کہا گیا جملہ اس کی چہرے پر پراسرار مسکراہٹ بکھیر گیا۔

"گڈ! اور دوسرا کام اس کے بارے میں کیا رپورٹ ہے؟"

وہ ہاتھوں میں پین گھماتے ہوئے گویا ہوئی۔

"باس کیا سارے دروازے بند کرنا ٹھیک رہے گا؟"

"سارے دروازے کس نے کہا؟ دو تین کھلے رکھ دینا۔اٹس ناٹ آ بگ ڈیل۔"

اس نے بے فکری سے کہتے ہوئے کال کاٹ دی اور اپنی کرسی پر ٹیک لگا کر بیٹھ گئی یوں جیسے وہ کوئی بہت بڑا کام سر انجام دے چکی ہو یا دینے والی ہو۔

وہ اپنا سامان سمیٹ کر نکلنے کے لیئے تیار کھڑا تھا۔جاتے جاتے اس نے ایک دفعہ دراز کھول کر دیکھا جس میں اس کی آج کی کمائی موجود تھی جسے دیکھ کر اس نے بے فکر ہوتے ہوئے دراز بند کر دی اور ایک آخری دفعہ اپنی دکان پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے شٹر گرا دیا۔

دکان کے باہر ایک غیر معمولی سکوت چھایا ہوا تھا جسے دیکھ کر وہ تھوڑا جھجکا لیکن سر جھٹک کر اوپر کی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔وہ جیسے جیسے آگے بڑھ رہا تھا اس کی آنکھوں کے سامنے سب دھندھلا ہوتا جا رہا تھا۔

وہ اوپر والے فلور پر پہنچا، اس کے قدم یک دم وہیں تھم گئے۔

ہر طرف صرف دھواں تھا۔۔ گاڑھا، سیاہ، سانسوں کو جکڑ لینے والا دھواں۔اتنا کہ سامنے چند قدم کے فاصلے پر موجود چیز بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔فضا میں جلتی ہوئی لکڑی، پلاسٹک اور کپڑوں کی ملی جلی بو پھیلی ہوئی تھی جو حلق میں اتر کر سانس روک رہی تھی۔

چاروں طرف چیخیں گونج رہی تھیں،

عورتوں کی سسکیاں۔۔

لوگوں کے بھاگتے قدموں کی آوازیں۔۔۔

بچوں کی چیخ وپکار۔۔۔

اور ہر طرف ایک ہی شور تھا،

"سب بھاگو آگ لگ گئی ہے۔"

یہ منظر دیکھ کر اس کی سانسیں حلق میں ہی اٹک گئی تھیں۔ دل تیز تیز دھڑکنے لگا تھا اور دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی اس کے قدم وہیں جم چکے تھے کہ مال میں آگ لگ چکی ہے یا شاید وہ چاہتے ہوئے بھی آگے نہیں بڑھ پا رہا تھا یہ سوچ کر کہ وہ اپنی سال بھر کی جمع پونجی کو بچانے کے لیئے نیچے دوڑے یا اپنی جان بچانے کے لیئے اوپر لیکن لمحہ بھر میں وہ فیصلہ کر چکا تھا اور اس کے قدم تیزی سے آگے بڑھنے لگے۔

چونکہ اس مال میں اس کی دکان کو دس سال ہو چکے تھے، اس لیے اسے وہاں کا ایک ایک راستہ ذہنشین تھا۔ وہ بنا دیکھے بھی مال کی اُس چھت تک پہنچ سکتا تھا جہاں پارکنگ ایریا موجود تھا۔

وہ تیز قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا کہ اچانک راہداری میں بھاگتے ہوئے چند لوگ اس کے قریب آ گئے۔اُن کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں، سانسیں بے ترتیب تھیں اور آنکھوں میں واضح خوف تیر رہا تھا۔

"بیٹا۔۔ باہر نکلنے کا راستہ کدھر ہے؟"

ایک ادھیڑ عمر شخص نے گھبرائی ہوئی آواز میں اُس کا بازو تھام لیا۔

"سارے گیٹ بند ہو چکے ہیں۔۔ نیچے دھواں بھر گیا ہے!"

کسی عورت کی لرزتی ہوئی آواز سنائی دی، جو اپنے سینے سے ایک چھوٹے بچے کو لگائے کھڑی تھی۔

اُس نے ایک نظر چاروں طرف دوڑائی۔مال، جو چند گھنٹے پہلے روشنیوں، قہقہوں اور لوگوں کے شور سے بھرا ہوا تھا، اب کسی قیامت کا منظر پیش کر رہا تھا۔

وقت رات کے پونے گیارہ بجا رہا تھا۔مال کے مرکزی دروازے بند ہو چکے تھے اور اب لوگوں کے چہروں پر یہ احساس آہستہ آہستہ اتر رہا تھا کہ وہ اندر پھنس چکے ہیں۔

اُس نے خشک ہوتے حلق کے ساتھ ایک گہرا سانس لیا، پھر چھت کی طرف جانے والی سیڑھیوں کی جانب اشارہ کیا۔

"اوپر۔۔ پارکنگ کی طرف!"

Clubb of Quality Content

شاید اُس کی آواز میں موجود اعتماد ہی تھا کہ دو تین لوگ فوراً اُس کے پیچھے چل پڑے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے مزید لوگ بھی اُن کے ساتھ شامل ہونے لگے۔

ہر شخص کے قدموں میں عجلت تھی، مگر دلوں میں خوف اُس سے کہیں زیادہ تیز دوڑ رہا تھا۔

کوئی مسلسل دعائیں پڑھ رہا تھا...

کوئی روتے ہوئے اپنے گھر والوں کو فون ملا رہا تھا...

اور کوئی بس خاموشی سے بھاگ رہا تھا، جیسے رک جانا موت کو دعوت دینا ہو۔ وہ سب کو ساتھ لیے اوپر کی طرف بڑھ رہا تھا، مگر اُس کے کانوں میں پیچھے سے آتی چیخیں مسلسل گونج رہی تھیں...ایسی چیخیں جو انسان کے دل میں دیر تک زندہ رہتی ہیں۔ اور اس کا دل چاہ رہا تھا وہ چیخیں بند ہو جائیں، ختم ہو جائیں۔

Clubb of Quality Content

وہ عورت جس کے ہاتھ میں نومولود بچہ تھا، دو نوجوان بھائی اور ایک ادھیڑ عمر انکل بس یہی لوگ تھے جو اس کے ساتھ چھت پر پہنچ پائے تھے باقی لوگ راستہ بھٹک چکے تھے۔

"یا اللہ مدد فرما۔"

اس عورت کے منہ سے بے اختیار اپنے معصوم بچے کو دیکھ کر نکلا۔

سچ ہی تو ہے انسان زندگی کی رنگینیوں میں اتنا کھو جاتا ہے کہ جب تک اس پر کوئی پریشانی نہیں آتی وہ اپنے رب کو یاد ہی نہیں کرتا۔

چھت پر بھی ہر جانب دھواں ہی دھواں تھا جس کی وجہ سے اسے اپنی گاڑی دیکھائی نہیں دے رہی تھی اور وہ اسی امید پر چھت پر آیا تھا کہ اپنی گاڑی کی مدد سے شاید نکلنے کی کوئی راہ مل جائے۔اب نیچے بھی پورا مال آگ کی لپیٹ میں آ چکا تھا۔ شیشے ٹوٹنے کی آوازیں، لوگوں کی چیخیں،اور جلتی چیزوں کی بو فضا میں ایسے گھل چکی تھی جیسے موت خود ہوا میں شامل ہو گئی ہو۔

وہ بے بسی سے چاروں طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ اچانک اس کی جیب میں رکھا فون وائبریٹ ہوا۔اس نے کانپتے ہاتھوں سے فون نکالا۔دھندلے اسکرین پر ''بابا'' جگمگا رہا تھا۔

اس نے جیسے ہی فون کان سے لگایا اس کے بابا کی آواز گونجی۔

"کہاں ہو بیٹا تم؟ خیریت سے ہو نا۔"

باپ کی آواز سن کر اس کا دل تھوڑا پُر سکون ہوا۔

"بابا میں اوپر پارکینگ ایریا میں ہوں۔ مگر یہاں سے بھی کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا" باہر نکلنے کا۔

"بیٹا! میں برابر والے مال کی چھت پر ہوں۔ ہم لکڑی کا تختہ لگا رہے ہیں، تم لوگ ادھر آنے کی کوشش کرو!''

اپنے بابا کی بات سنتے ہی اس کے اندر امید کی ایک ٹوٹی ہوئی کرن پھر سے جاگی۔

ورنہ چند لمحے پہلے تک تو اسے اپنی موت بالکل سامنے کھڑی محسوس ہو رہی تھی۔

اس نے مڑ کر اپنے ساتھ موجود لوگوں کو دیکھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ عورت...اپنے نومولود بچے کو سینے سے لگائے،اس کے اوپر کپڑا ڈالے کھڑی تھی تاکہ دھواں کم سے کم بچے تک پہنچے۔ مگر بچہ پھر بھی مسلسل روئے جارہا تھا۔ عورت کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے جبکہ اس کی انگلیاں بار بار فون ملانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"خدا کے لیے فون اٹھالو..."

وہ اپنے شوہر کو کال کر رہی تھی، جو بھگدڑ میں کہیں نیچے بچھڑ گیا تھا۔ اور وہ عمر رسیدہ شخص دیوار کے ساتھ لگے کانپ رہے تھے۔

ان کے چہرے پر راکھ جمی تھی، سانس پھول رہی تھی، مگر پھر بھی وہ بار بار صرف ایک ہی بات دہرا رہے تھے:

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"یااللہ خیر..."

وہ دونوجوان بھی پریشان تھے۔ ان کے بابا نے کچھ دیر پہلے ہی انہیں فون کر کے کہاں تھا:

"بیٹا تم لوگ یہاں سے نکلو ہم بھی نکلنے کی کوشش کر رہے..."

اس نے سامنے والی چھت کی طرف دیکھا۔

دھواں اتنا تھا کہ سب کچھ دھندلا نظر آرہا تھا، مگر پھر چند موبائلز کی روشنیاں دکھائی دیں۔ لوگ ہاتھ ہلا ہلا کر آوازیں دے رہے تھے۔ ان میں اس کے بابا بھی تھے۔

"جلدی آؤ!"

انہوں نے دونوں عمارتوں کے درمیان لکڑیاں اور لوہے کے تختے جما کر ایک عارضی سا پل بنالیا۔

سب سے پہلے ایک نوجوان پل پر چھڑا۔اس کے دل کی دھڑکن تیز تھی۔اس کے قدم ڈگمگائے بھی مگر وہ دوسری چھت پر پہنچ گیا پھر اس کے بعد وہ عورت اپنے نومولود بچے کو سینے سے لگائے چھڑی اور پل پار کر گئی۔اب وہ ادھیڑ عمر انکل کی باری تھی

انہوں نے ایک نظر نیچے آگ کی طرف دیکھا... پھر دھیرے سے بولے:

"بیٹا... تم لوگ جاؤ... مجھ سے نہیں ہو پائے گا..."

"ایسی بات نہ کریں انکل!"

دونوں نوجوان فوراً ان کے پاس آئے۔اور پھر ایک نے انہیں سہارا دیا، دوسرے نے اوپر چڑھایا اور وہ بھی پل پار کر گئے۔اور پھر دونوں نوجوان بھی دوسری طرف پہنچ گئے۔

سب نے ایک ساتھ لمبی سانس لی۔

دو منٹ پہلے تک انہیں لگ رہا تھا کہ شاید وہ زندہ نہیں بچیں گے لیکن قدرت کی کرنی ایسی ہوئی کہ وہ لوگ بچ گئے مگر پھر بھی ان کا دل غمگیں تھا۔کیونکہ ان کے پیارے جو ابھی تک اندر تھے۔اور ان کی برسوں کی محنت جو آگ کی نظر ہو رہی تھی۔۔

بے شک یہ قیامت نہیں تھی مگر اس سے کم بھی نہ تھی۔

مال کے باہر بھی الگ قیامت برپا تھی۔ فائر بریگیڈ کی تین گاڑیاں مال سے کچھ دوری پر کھڑی دکھائی دے رہی تھیں۔ ایمبولینس کے سائرن فضا میں گونج رہے تھے اور ہر طرف لوگوں کا ہجوم تھا۔ کسی کی چیخیں تو کسی کے رونے کی آواز، غرض ہر سمت ہی ایک خوفناک منظر چھایا ہوا تھا۔

اس افراتفری میں مزید اضافہ تب ہوا جب میڈیا کی گاڑیاں تیز رفتاری سے بریک لگاتی ہوئی وہاں پہنچیں۔ کیمروں کی فلیش لائٹس اور لائیو کوریج کی تیز روشنیاں جلتے ہوئے مال کے سیاہ دھوئیں میں زرد رنگ گھولنے لگیں۔ رپورٹرز مائیک ہاتھ میں لیے سنسنی خیز لہجے میں چیخ چیخ کر لائیو اپڈیٹس دے رہے تھے، اور کیمرہ مین ان جھلستے ہوئے چہروں کو قید کرنے کی دوڑ میں تھے جو اپنوں کی زندگی کی بھیک مانگ رہے تھے۔

"انتظامیہ کہاں ہے؟ فائر بریگیڈ کی گاڑیاں تماشائی کیوں بنی ہوئی ہیں؟"

ہجوم میں سے ایک بپھرے ہوئے نوجوان نے آگ بجھانے والے عملے کی گاڑی پر مکا مارتے ہوئے چیخ کر کہا۔

عملے کا ایک اہلکار بے بسی سے ہاتھ ہلا کر بولا،

"ہم کیا کریں بھائی؟ ان تین گاڑیوں میں سے دو کا پریشر پمپ خراب ہے اور تیسری میں پانی ختم ہو چکا ہے! اوپر سے واٹر ہائیڈرینٹ کا ہینڈل بھی لاک ہے، چابی ہی نہیں مل رہی۔"

یہ سن کر وہاں موجود لوگوں کا غصہ آسمان کو چھونے لگا۔

لیکن یہ محض اتفاق تھا یا کوئی سوچی سمجھی سازش؟ اتنے بڑے مال میں آگ لگنے کے فوری بعد فائر سیفٹی سسٹم کا یوں بیک وقت ناکام ہو جانا اور پانی کی گاڑیوں کا خالی ہونا...ایک ایسا سوال تھا جو اس دھوئیں سے بھی زیادہ سیاہ تھا۔ جیسے کسی نے پہلے ہی یقین دہانی کر لی ہو کہ یہاں بجھانے کے لیے پانی کا ایک قطرہ بھی نہ پہنچ سکے۔

کچھ ہی فاصلے پر ایک دلدوز منظر تھا۔ایک ماں زمین پر بیٹھی اپنے بال نوچ رہی تھی،

"میری گڑیا اندر ہے! کوئی تو جاؤ... وہ ابھی صرف سات سال کی ہے! خدا کے لیے میری بچی کو لا دو!"

اس کی چیخیں فضا میں گونجتے سائرن کی آوازوں کو بھی چیر رہی تھیں۔دوسری طرف، ایک بوڑھا باپ اپنے جوان بیٹے کی تصویر موبائل پر ہر آتے جاتے شخص کو دکھا رہا تھا، جس کی دکان اسی مال کی پہلی منزل پر تھی۔بچوں کے رونے اور عورتوں کے بین کرنے کی آوازوں نے ماحول کو کسی مقتل گاہ میں تبدیل کر دیا تھا۔

اچانک میڈیا کے ایک کیمرے کا رخ مال کے اوپری حصے کی طرف گھما، جہاں لکڑی کے تختے کے سہارے چند لوگ دوسرے مال کی چھت پر منتقل ہو رہے تھے۔ ہجوم میں ایک دم ہلچل مچی۔

"وہ دیکھو! اوپر لوگ موجود ہیں! وہ زندہ ہیں!"

لوگ اس طرف دوڑے، لیکن اسی دوران مال کے سامنے والے حصے کا ایک بڑا شیشہ ہولناک دھماکے سے ٹوٹ کر نیچے گرا۔ آگ کی لپٹیں اب پورے مال کو اپنی آغوش میں لے چکی تھیں۔ یہ آگ محض لکڑی یا کپڑے کی نہیں لگتی تھی، اس کی تیزی اور شدت چیخ چیخ کر بتا رہی تھی کہ اسے کسی خاص کیمیکل کی مدد ملی ہے۔ ایسا لگتا تھا کہ اندر پھنسے ہوئے سینکڑوں معصوم لوگ کسی کی شطرنج کی بساط پر صرف مہرے تھے، جنہیں ایک پراسرار مسکراہٹ کے عوض جلنے کے لیے چھوڑ دیا گیا تھا۔ مال کی اونچی عمارت سے اٹھتا ہوا دھواں اب آسمان پر پھیل رہا تھا، اور نیچے کھڑے لوگ صرف بے بسی سے راکھ ہوتے ہوئے لوگوں کو دیکھ رہے تھے۔

"باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم

سو بار کر چکا ہے تُو امتحاں ہمارا"

سٹی کورٹ کے عقب میں واقع ڈسٹرکٹ پراسیکیوشن ڈیپارٹمنٹ کے دفتر کی لمبی راہداری آج معمول کے مطابق مصروف تھی۔ راہداری کے اختتام پر واقع اپنے کمرے میں زاویان ملک اس وقت ایک اہم فائل پر جھکا ہوا تھا۔

کمرے کا ماحول اس کے مزاج کی طرح پرسکون اور منظم تھا۔ دیواروں پر قانون کی کتابوں سے بھری الماریاں، ایک جانب پاکستان کا پرچم اور دوسری طرف قومی نشان آویزاں تھا۔ وسط میں رکھی سیاہ

لکڑی کی بڑی میز پر فائلیں ترتیب سے سجی تھیں اور لیپ ٹاپ کی اسکرین روشن تھی۔ میز پر لگی بھوری نیم پلیٹ پر سنہری حروف میں اس کا عہدہ اور نام چمک رہا تھا۔۔۔۔اسپیشل سروسز پراسیکیوٹر ۔۔۔۔زاویان ملک۔

دبیز، گہرے رنگ کے قالین کی وجہ سے کمرے میں بیرونی شور بالکل غائب تھا، بس وال کلاک کی ٹک ٹک سنائی دے رہی تھی۔ زاویان نے سرمئی آنکھوں پر لگے سنہری فریم کے چشمے کو ٹھیک کیا اور لمبی، سفید انگلیوں سے فائل کا آخری صفحہ پلٹ کر اس کا بغور جائزہ لیا۔ آج کے اہم کیس کی ہیرنگ کا وقت قریب تھا، اس لیے اس کی تمام تر توجہ اسی فائل پر مرکوز تھی۔

گھڑی پر نظر ڈالتے ہی اس نے فائل بند کی اور میز کے دراز سے وہ چھوٹی سی یو ایس بی نکالی جس میں کیس کا سب سے اہم ثبوت موجود تھا۔ وہ ثبوت، جو آج عدالت میں بازی پلٹ سکتا تھا۔

وہ پرسکون انداز میں اپنی کرسی سے اٹھا۔ برابر میں موجود ہینگنگ اسٹینڈ سے اپنا وکالتی کوٹ اتارا اور اسے پہنتے ہوئے کھڑکی کے شیشے میں ابھرتے اپنے عکس پر ایک سرسری نظر ڈالی۔ ہمیشہ کی طرح فارمل ڈریسنگ اور سلیقے سے سیٹ کیے ہوئے کالے بالوں میں اس کی سنجیدگی اور وقار برقرار تھا۔

فائل اور یو ایس بی ہاتھ میں سنبھالتے ہی اس نے کمرے کا دروازہ کھولا اور متوازن قدموں کے ساتھ باہر نکل آیا۔ کوریڈور کی گھڑی پر نظر ڈالتے ہی وہ پورے اعتماد کے ساتھ عدالت کی سمت بڑھ گیا، جانے کا وقت ہو چکا تھا اور انصاف ایک بار پھر اس کا منتظر تھا۔

کیمرے کی سرخ بتی جلتے ہی اسٹوڈیو میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔

چمکتی ہوئی لائٹس کے درمیان، سیاہ سوٹ اور ٹائی میں ملبوس حسن نیوز ڈیسک کے پیچھے بیٹھا تھا۔

سامنے شیشے کی طرح چمکتی میز تھی اور پیچھے لگی بڑی ایل ای ڈی(LED)اسکرین پر" PAK NEWS"کا لوگو جگمگا رہا تھا۔اس کا چہرہ سپاٹ تھا، آواز میں سنجیدگی اور آنکھوں میں ہلکا سا اضطراب۔

اس نے میز پر رکھے دونوں ہاتھ آپس میں جوڑے، سیدھا کیمرے کی طرف دیکھا اور بولنا شروع کیا:

"السلام علیکم ناظرین۔آج کی سب سے افسوسناک اور دل دہلا دینے والی خبر..."

اسکرین پر فوراً سحر پلازہ کی جلتی ہوئی عمارت کی فوٹیج چلنے لگی۔

"سحر پلازہ میں گزشتہ روز لگنے والی خوفناک آگ نے پورے شہر کو سوگوار کر دیا ہے۔درجنوں خاندان اب بھی اپنے پیاروں کی تلاش میں ہیں، جبکہ امدادی کارروائیاں مسلسل جاری ہیں۔مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ محض ایک حادثہ تھا؟ یا پھر انتظامیہ کی غفلت؟ کیونکہ جب لوگ اپنی جانیں بچانے کے لیے چیخ رہے تھے، تب فائر بریگیڈ اور امدادی وسائل پہنچنے میں اتنی تاخیر کیوں ہوئی؟"

کیمرہ آہستہ آہستہ حسن کے چہرے پر زوم ہوا۔اس کی آواز کی تلخی مزید واضح ہوئی:

"میئر صاحب شہر سے باہر ہیں اور گورنر صاحب میڈیا کے سامنے فوٹو سیشن تو کر گئے، مگر کیا صرف بیانات سے متاثرہ خاندانوں کو انصاف مل پائے گا؟ان تمام سوالات کے جواب جاننے کے لیے چلتے ہیں ہماری نمائندہ حفصہ اقبال کے پاس، جو اس وقت سحر پلازہ کے باہر موجود ہیں۔جی حفصہ، وہاں کی تازہ ترین صورتحال کیا ہے؟"

اسٹوڈیو کی اسکرین دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ایک طرف حسن کا سنجیدہ چہرہ تھا اور دوسری جانب تباہی کا وہ منظر جہاں فضا میں اب بھی دھواں معلق تھا اور پیچھے ایمبولینسوں کے سائرن گونج رہے تھے۔

کیمرہ فیلڈ میں موجود حفصہ کی طرف گھوما۔ ہوا کی وجہ سے اس کے بال بکھر رہے تھے، مگر اس نے مائیک مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔اس کے پیچھے سحر پلازہ کا سیاہ، جلا ہوا ڈھانچہ کسی زخمی دیو کی طرح کھڑا تھا اور کیمرہ مین وحید مسلسل مناظر کو محفوظ کر رہا تھا۔

حفصہ نے سر ہلایا،

"جی حسن، میں آپ کی آواز سن سکتی ہوں۔"

پھر اس نے پلٹ کر عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا،

"ایک دن گزر جانے کے باوجود یہاں ریسکیو آپریشن اب بھی جاری ہے۔فائر فائٹرز ملبہ ہٹانے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن یہاں موجود ہر چہرہ بے بسی اور انتظار کی ایک الگ کہانی سناتا ہے۔کسی کا بیٹا لاپتہ ہے تو کسی کی بہن۔"

کیمرہ ایک ایسے نوجوان پر گیا جس کی سرخ آنکھیں ملبے پر ٹکی تھیں،اور پھر ایک بزرگ خاتون پر، جو کانپتے ہاتھوں سے تسبیح کے موتیوں کو چھوتے ہوئے دعا مانگ رہی تھیں۔

حفصہ دھیرے دھیرے ان بزرگ خاتون کی طرف بڑھی اور انتہائی نرم لہجے میں بولی،

"یہ خاتون گزشتہ رات سے یہیں موجود ہیں اور اپنے پیاروں کی کسی خبر کے انتظار میں ان کی آنکھیں پتھرا چکی ہیں۔"

کیمرہ خاتون کے چہرے پر زوم ہوا، جہاں ایک ہی رات میں برسوں کی تھکن اتر آئی تھی۔حفصہ ان کے سامنے تھوڑا سا جھکی اور مائیک قریب کرتے ہوئے پوچھا،

"اماں... آپ بتانا چاہیں گی کہ آپ یہاں کس کا انتظار کر رہی ہیں؟"

خاتون کی آنکھوں سے فوراً آنسو بہہ نکلے۔چند لمحے ان کے لب ہلے، پھر بمشکل آواز نکلی،

"میری بیٹی..."

ان کا گلا رُندھ گیا،

"وہ... وہ اپنی دو کزنز اور خالہ کے ساتھ کل شام یہاں شادی کی خریداری کے لیے آئی تھی۔ اگلے مہینے میری بچی کی شادی تھی..."

آس پاس کھڑے لوگوں میں ایک گہرا سکوت چھا گیا۔ خاتون نے لرزتے ہونٹوں کے ساتھ آسمان کی طرف دیکھا،

"رات اس کا فون آیا تھا رو کر کہہ رہی تھی 'امی، یہاں آگ لگ گئی ہے، ہمارے لیے دعا کریں'... اس کے بعد اس کا فون بند ہو گیا۔ میں کل رات سے ہر ایمبولینس کے پیچھے بھاگتی ہوں، ہر نکالے جانے والے شخص کا چہرہ دیکھتی ہوں کہ شاید میری بچی زندہ مل جائے..."

یہ کہتے ہی وہ زار و قطار رو پڑیں۔ حفصہ کی اپنی آنکھیں بھی نم ہو گئیں، اور کیمرہ مین وحید نے اس دکھی ماں کے چہرے پر موجود بے بسی کو اسکرین پر قید کر لیا۔

حفصہ کی رپورٹ ختم ہوتے ہی کنٹرول روم نے اسکرین دوبارہ اسٹوڈیو کی طرف منتقل کر دی۔

کیمرے کی روشنی حسن کے چہرے پر پڑی، جہاں اب سنجیدگی کی جگہ ایک گہرا دکھ تھا۔ اس نے چند لمحے خاموشی اختیار کی، جیسے اس ماں کی صدائیں اب بھی اس کے کانوں میں گونج رہی ہوں۔ پھر اس نے آہستہ سے سر اٹھا کر سیدھا کیمرے میں دیکھا۔

"ایک ماں، جو چوبیس گھنٹوں سے اپنی بیٹی کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے تڑپ رہی ہے۔ ایک خاندان، جس کے خوشیوں بھرے خواب ایک ہی رات میں راکھ ہو گئے۔ اب فیصلہ آپ کا ہے کہ

اس مجرمانہ غفلت کا حساب کس سے مانگا جائے؟ کیونکہ یہ سوال صرف ایک عمارت کا نہیں، ان ادھورے خوابوں اور ضائع ہونے والی معصوم جانوں کا ہے۔"

اس نے ایک گہرا سانس لیا،

"اجازت دیجیے، میں حسن احمد... خدا حافظ۔"

کیمرے کی سرخ بتی بجھ گئی۔

"اینڈ... کٹ!"

اسسٹنٹ ڈائریکٹر کی آواز اسٹوڈیو میں گونجی۔

ایک دم پورے ماحول کا تناؤ ختم ہو گیا۔ حسن نے اپنی پشت کرسی سے ٹکائی، اس کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے اور اس نے ایک طویل سانس خارج کیا، جیسے وہ اتنی دیر سے اپنا دم روکے بیٹھا ہو۔

سامنے مانیٹر پر اب بھی سحر پلازہ کی تصاویر منجمد تھیں۔

جلتی عمارت، روتے لوگ اور کئی جھلسی ہوئی لاشیں...

حسن نے بے اختیار آنکھیں بند کر لیں۔

ایک صحافی ہونے کا سب سے مشکل حصہ کیمرے کے سامنے خبر پڑھنا نہیں تھا، بلکہ روز دوسروں کے درد کو اپنے اندر اتار کر خود کو مضبوط ظاہر کرنا تھا۔

جب اس نے آنکھیں کھولیں تو نیوز روم میں دوبارہ فون بجنے لگے تھے، پروڈیوسرز اگلے بلیٹن کی تیاری میں مصروف تھے اور دنیا ہمیشہ کی طرح آگے بڑھ رہی تھی۔

مگر سحر پلازہ کے ملبے تلے دبے سوالات ابھی بھی جواب کے منتظر تھے۔

کہتے ہیں دنیا کی سب سے بڑی جنگ انسان کے نفس اور ضمیر کے درمیان برپا ہوتی ہے۔ ہر انسان کے اندر روشنی اور تاریکی دونوں کا وجود ہوتا ہے، اور ہر موڑ پر اسے خود فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ وہ کس سمت قدم بڑھائے گا۔ برائی کا راستہ بظاہر آسان اور پُرکشش محسوس ہوتا ہے، مگر اس کا انجام اکثر تباہی کی گہرائیوں میں لے جاتا ہے۔ اس کے برعکس نیکی کی راہ دشوار اور کٹھن سہی، مگر یہی راستہ آخر کار عزت، سکون اور ایک خوبصورت انجام تک پہنچاتا ہے۔

عدالت کا کمرہ لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ دیواروں پر آویزاں قومی نشان کے نیچے جج صاحب کی خالی کرسی اپنے وقار کے ساتھ موجود تھی۔

ایک طرف دفاعی وکیل اپنے مؤکل کے ساتھ بیٹھا تھا——وہی ملزم، میسم اورنگزیب...ایک امیر باپ کی بگڑی اولاد، جس کا نام پچھلے کئی ماہ سے میڈیا کی سرخیوں میں گردش کر رہا تھا۔

دوسری طرف پراسیکیوٹر زاویان ملک اپنی نشست پر بیٹھا تھا، اس کے برابر معاونین فائلیں ترتیب دے رہے تھے۔

سامنے کی قطار میں وہ لڑکی بیٹھی تھی —— چہرہ زرد، مگر آنکھوں میں آج عجیب سی مضبوطی۔ اس کے برابر اس کا باپ، جس کے چہرے پر برسوں کی تھکن، بے بسی اور دعا تینوں ایک ساتھ نمایاں تھیں۔

دروازہ کھلا۔

"سب کھڑے ہو جائیں!"

جج صاحب آکر اپنی کرسی پر متمکن ہوئے۔

"کارروائی شروع کی جائے۔"

زاویان آہستگی سے اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا۔ سیاہ وکالتی کوٹ، گھنے کالے بال سلیقے سے سیٹ، ہاتھ میں فائل۔ اس کی سرمئی آنکھوں میں غیر معمولی سنجیدگی تھی۔

وہ دو قدم آگے بڑھا۔

آواز میں رعب بھی تھا اور درد بھی۔

"مائی لارڈ... ہر سال نہ جانے کتنے ریپ کے کیس رپورٹ ہوتے ہیں۔ اور کتنے ایسے ہیں جو رپورٹ ہی نہیں ہوتے۔ کچھ متاثرہ لڑکیاں خوف کے باعث خاموش رہتی ہیں... کچھ کو انصاف نہیں ملتا۔ اسی خاموشی نے مجرموں کو حوصلہ دیا ہے۔ جرم بڑھ رہا ہے... اور انصاف کم ہوتا جا رہا ہے۔"

عدالت میں مکمل خاموشی تھی۔

"جب مجرم کو یقین ہو کہ اس کے پاس پیسہ ہے، طاقت ہے، اثر ورسوخ ہے... تو اسے قانون کمزور لگنے لگتا ہے۔ مگر مائی لارڈ، قانون کمزور نہیں ہوتا——اگر اسے مضبوطی سے نافذ کیا جائے۔"

اس کی آواز میں اب سختی تھی۔

پھر وہ میز کی طرف بڑھا۔

فائل بند کی۔

"مائی لارڈ، میں ضابطہ فوجداری کی دفعہ 540 کے تحت عدالت سے استدعا کرتا ہوں کہ ایک اہم ثبوت ریکارڈ پر لیا جائے، جو اس مقدمے کے منصفانہ فیصلے کے لیے ناگزیر ہے۔"

دفاعی وکیل فوراً کھڑا ہوا۔

"آبجیکشن، مائی لارڈ! فائنل ہیرنگ مکمل ہو چکی ہے۔ نیا ثبوت پیش نہیں کیا جا سکتا!"

جج نے سنجیدگی سے زاویان کی طرف دیکھا۔

چند لمحوں کی خاموشی۔

"آبجیکشن اوور رولڈ۔ اگر عدالت سمجھے کہ ثبوت ضروری ہے تو پیش کیا جا سکتا ہے۔ پراسیکیوٹر، آگے بڑھیں۔"

زاویان نے میز سے یو ایس بی اٹھائی۔

عدالت کے عملے کو دی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

چند لمحوں بعد بڑی LCD اسکرین روشن ہوئی۔

رات کی تاریکی...

فارم ہاؤس کا کوریڈور...

ویڈیو میں صاف نظر آرہا تھا—— میسم اور نگزیب لڑکی کو زبردستی بازو سے پکڑ کر کوریڈور میں گھسیٹ رہا تھا۔ لڑکی مزاحمت کر رہی تھی۔

عدالت میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔

دفاعی وکیل کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ وہ اپنے مؤکل کی طرف دیکھنے لگا۔

میسم نے نظریں جھکا لیں... چہرہ چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے۔

Clubb of Quality Content

ویڈیو رُک گئی۔

زاویان جج کی نشست کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"مائی لارڈ، اس ویڈیو سے واضح ہو چکا ہے کہ اس جرم کا مرتکب کوئی اور نہیں——یہی ملزم میسم اور نگزیب ہے۔"

اس کی سرمئی آنکھوں میں آگ سی چمک تھی۔

"یہ مقدمہ صرف ایک لڑکی کا نہیں... یہ ہمارے معاشرے کے ضمیر کا مقدمہ ہے۔ متاثرہ لڑکی نے کئی بار خودکشی کی کوشش کی—— صرف اس لیے کہ انصاف میں تاخیر ہو رہی تھی۔ اگر آج بھی عدالت خاموش رہی تو کل ہر طاقتور مجرم خود کو ناقابلِ گرفت سمجھے گا۔"

اس نے گہری سانس لی۔

"میں عدالت سے گزارش کرتا ہوں کہ تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ 376 کے تحت ملزم کو سخت سے سخت سزا سنائی جائے——تاکہ یہ فیصلہ آنے والی نسلوں کے لیے مثال بنے۔"

کمرے میں سناٹا چھا گیا۔

چند لمحوں بعد جج کی آواز گونجی:

"تمام شواہد، گواہیوں اور پیش کیے گئے ویڈیو ثبوت کو مدِنظر رکھتے ہوئے عدالت اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ ملزم میسم اورنگزیب جرم کا مرتکب ہے۔ تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ 376 کے تحت اسے عمر قید با مشقت کی سزا سنائی جاتی ہے۔ عدالت برخاست ہوتی ہے۔"

ہتھوڑے کی آواز پورے کمرے میں گونج گئی۔

لڑکی کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے۔

اس کے باپ کے لب لرز رہے تھے۔

زاویان ان کی طرف بڑھا۔

باپ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"شکریہ بیٹا...آپ نے میری بیٹی کو انصاف دلایا۔"

زاویان کی آواز نرم ہو گئی۔

"یہ میرا فرض تھا۔"

اس نے لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"آپ بہت بہادر رہیں۔ یہ جیت آپ کی ہے۔"

فائل ہاتھ میں تھامے وہ باہر نکلا۔

باہر میڈیا کا ہجوم تھا۔مائیک اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔

مگر وہ سب کو چیرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

پیچھے سرگوشیاں تھیں—

"اسے جیتنا ہی تھا..."

"اسی لیے تو لوگ اسے قانون کا بھوت کہتے ہیں..."

"انصاف کا علمدار"

"اور نگزیب ہائی پروفائل ہے... مگر اس کے لیے قانون سے بڑا کوئی نہیں۔"

زاویان نے کچھ نہیں کہا۔

بس قدم آگے بڑھا دیے۔

کیونکہ اس کا ایک ہی اصول تھا—

انصاف ہو گا۔ چاہے سامنے کوئی بھی ہو اور قیمت کچھ بھی ہو۔

آج تک کوئی مقدمہ نہ ہارا تھا۔

ہار اور غلط بات اسے برداشت نہ ہوتی تھی۔۔

شام آہستہ آہستہ اپنے رنگ سمیٹ رہی تھی۔

کراچی کے آسمان پر سنہری روشنی کی آخری تہہ بچی تھی جو ہر گزرتے لمحے کے ساتھ مدھم ہوتی جا رہی تھی۔ سورج غروب ہوتا شہر کے شور کو اپنے ساتھ نگلنے لگا تھا۔ نیچے سڑکوں پر زندگی حسبِ معمول دوڑ رہی تھی۔ گاڑیوں کی لمبی قطاریں، ہارنوں کی مدھم آوازیں، اور روشن ہونے والی ہیڈ لائٹس ہر طرف اجالا کر رہی تھی۔

شہر کی اسی بھاگتی دوڑتی دنیا سے ذرا اوپر، ایک ریسٹورنٹ کے روف ٹاپ پر بالکل مختلف منظر سجا ہوا تھا۔

سنہری اور سیاہ رنگ کی تقسیم میں سجاوہ روف ٹاپ کسی خواب کا حصہ محسوس ہو رہا تھا۔ چھت کے گرد رنگ برنگے لیمپس لٹک رہے تھے جو ہوا کے نرم جھونکوں کے ساتھ ہلکے ہلکے جھول رہے تھے۔

دیواروں کے ساتھ لگی گرم سنہری روشنیاں ماحول میں دلکشی گھول رہی تھیں۔

مرکزی کاؤنٹر کے پیچھے بڑے بڑے روشن حروف میں ریسٹورینٹ کا نام Flamme جگمگا رہا تھا۔

دھندلکے اور روشنی کے سنگم میں وہ پورا منظر بے حد دلکش لگ رہا تھا۔

ایک نسبتاً پر سکون کونے میں رکھی میز پر دو کپ موجود تھے۔

ایک کپ میں سیاہ کافی تھی جس سے اٹھتی بھاپ ابھی تک فضا میں گھل رہی تھی۔

دوسرے میں کیپوچینو تھا، جس کے جھاگ پر بنا دل ابھی تک بکھرا نہیں تھا۔

ساتھ ہی دو نفیس پرس میز کی زینت بنے ہوئے تھے۔

اور ان پرسوں کے سامنے دو نسوانی وجود بیٹھے تھے...

دونوں ایک ہی عمر کی تھیں، مگر دور سے دیکھنے والا بھی فوراً سمجھ جاتا کہ وہ ایک دوسرے سے کتنی مختلف ہیں۔

جیسے مشرق اور مغرب یا رات اور سویرا۔

پہلی لڑکی کے ہاتھ میں بلیک کافی کا کپ تھا۔

Clubb of Quality Content

اس کی کلائی میں بندھی سنہری رنگ کی نفیس گھڑی شام کی روشنی میں مدھم سی چمک رہی تھی۔اس نے سیاہ رنگ کی لمبی شرٹ اور پلاظو پہن رکھا تھا جبکہ اسی رنگ کا دوپٹہ بے فکری سے اس کے گلے میں پڑا تھا۔

ہوا کے نرم جھونکے اس کے سیاہ بالوں سے کھیل رہے تھے۔چند بے ترتیب لٹیں بار بار اس کے چہرے پر آجاتیں اور پھر ہوا انہیں اڑا لے جاتی۔ مگر اس کے چہرے کی سب سے نمایاں چیز اس کی سبز آنکھیں تھیں...

گہری، پُراسرار اور غیر معمولی۔

وہ خاموشی سے سامنے بیٹھی لڑکی کو دیکھ رہی تھی، جیسے کسی کتاب کا دلچسپ صفحہ پڑھ رہی ہو۔

دوسری طرف بیٹھی لڑکی بالکل مختلف تھی۔

ہلکے گلابی رنگ کی خوبصورت کرتی،اسی رنگ کا نفیس حجاب،اور چہرے پر عجیب سی معصومیت۔وہ شام کی سنہری روشنی میں کسی نرم گلابی پھول کی مانند لگ رہی تھی۔

اس کی گہری سیاہ آنکھیں آسمان پر جمی ہوئی تھیں، جہاں سورج اپنی آخری سانسیں لے رہا تھا۔

اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

موبائل اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ بار بار مختلف زاویوں سے ڈوبتے سورج کی تصویریں لے رہی تھی۔

کبھی آسمان کو فریم میں قید کرتی، کبھی شہر کی روشن ہوتی سڑکوں کو۔

"یہ والی پرفیکٹ ہے..."

اس نے خود سے سرگوشی کی اور ایک اور تصویر کھینچ لی۔

اس کے چہرے پر بچکانہ سی خوشی پھیل گئی۔ سامنے بیٹھی سبز آنکھوں والی لڑکی اسے خاموشی سے دیکھتی رہی۔

شام مزید گہری ہونے لگی اور اس خوابناک ماحول میں، کافی کی مہک، ہوا کی خنکی اور شہر کی مدھم گونج کے درمیان، وہ دونوں یوں بیٹھی تھیں جیسے وقت نے چند لمحوں کے لیے اپنی رفتار سست کر دی ہو۔

"حور! تم بس بھی کرو گی؟ آخر کتنی تصویریں لو گی؟"

آخر کار اس نے کافی کا کپ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

حور نے موبائل سے نظریں ہٹائے بغیر آسمان کی طرف اشارہ کیا۔

"یار، دیکھو نا... آسمان کتنا پیارا لگ رہا ہے۔ یہ ڈھلتا سورج پتا ہے اتنا خوبصورت کیوں لگتا ہے؟"

زرتاشہ نے بھنویں اٹھائیں۔

"کیوں؟"

حور مسکرائی، اس کی سیاہ آنکھوں میں ڈوبتے سورج کی سنہری جھلک اتر آئی۔

Clubb of Quality Content

"کیونکہ یہ ہمیں بتاتا ہے کہ ہر اختتام بُرا نہیں ہوتا۔ کچھ انجام خوبصورت بھی ہوتے ہیں... اور ہر اندھیری رات کے بعد ایک نیا سویرا ضرور آتا ہے۔"

زرتاشہ چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتی رہی، پھر ہلکا سا مسکرائی اس کے ڈمپلز واضح ہوئے۔

"تم جانتی ہو نا، حور... تم صحافی کم اور فلسفی زیادہ لگتی ہو۔"

حور نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

"اچھا جی؟"

"ہاں۔ ایک عام انسان ڈوبتے سورج میں صرف شام دیکھتا ہے، لیکن تم اس میں امید، زندگی اور نئی شروعاتیں ڈھونڈ لیتی ہو۔"

حور ہنس پڑی۔

"پیشہ ورانہ عادت ہے محترمہ۔ صحافیوں کو ہر منظر کے پیچھے ایک کہانی نظر آ جاتی ہے۔"

"اور کبھی کبھی ایسی کہانی بھی جو وہاں ہوتی ہی نہیں۔"

زرتاشہ نے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"بالکل ہوتی ہے، بس سب کو نظر نہیں آتی۔"

حور نے آنکھ مارتے ہوئے جواب دیا، اور زرتاشہ کے گال میں بننے والا ڈمپل مزید گہرا ہو گیا۔

چند لمحوں کے لیے ماحول پھر ہلکا پھلکا ہو گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ہوا کا نرم جھونکا آیا اور اوپر لٹکے رنگین لیمپس ہلکے سے جھول گئے۔

"خیر..." زرتاشہ نے کپ اٹھاتے ہوئے کہا، "اب بتاؤ، ملنے کی وجہ کیا ہے؟"

حور نے فوراً مصنوعی ناراضی سے آنکھیں پھیلائیں۔

"حد ہو گئی! دوستوں سے ملنے کی بھی کوئی وجہ ہوتی ہے؟"

"حور..."

"اچھا بھئی، نہیں ہوتی۔ دوستوں سے تو جب دل چاہے، جیسے دل چاہے ملا جا سکتا ہے۔"

زرتاشہ نے معنی خیز نظروں سے اسے دیکھا۔

"اسی لیے تم نے ایک کال پر مجھے یہاں بلا لیا؟"

"جی بالکل۔"

حور نے فخر سے گردن اکڑائی۔

"اور زر تم فوراً آ بھی گئیں۔"

حور کی آواز میں بھرم سا تھا جو اسے زرتاشہ کی دوستی نے دیا تھا۔

"کیونکہ تم میری دوست ہو۔"

یہ سن کر حور کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"شکریہ... شکریہ!"

نولز کلب
Clubb of Quality Content

اس نے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے ڈرامائی انداز میں کہا۔

زرتاشہ ہنس دی۔

مگر اگلے ہی لمحے اس کی مسکراہٹ دھیمی پڑ گئی۔

اس نے خاموشی سے حور کی آنکھوں میں دیکھا۔

"اب بتاؤ...اصل میں کیا چیز پریشان کر رہی ہے؟"

حور کا چہرہ چند لمحوں کے لیے ساکت ہو گئ۔

"زر تمھیں کیسے پتہ چل جاتا ہے کہ میں پریشان ہوں؟"

زرتاشہ نے نرمی سے جواب دیا۔

"تمہاری آنکھیں بتادیتی ہیں۔"

پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی،

"اور دوستوں کو ویسے بھی بہت کچھ پتا چل جاتا ہے۔"

حور نے نظریں جھکا لیں۔

اس کی انگلیاں خاموشی سے کافی کے کپ کے گرد سمٹ گئیں۔

کچھ لمحوں بعد اس نے دھیرے سے کہا،

"یار...وہ سحر پلازہ والا حادثہ..."

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اس کی آواز خود بخود مدھم ہو گئی۔

"دل سے نکل ہی نہیں رہا۔"

ہوا جیسے ایک لمحے کو رک گئی۔

نیچے شہر بدستور اپنی رفتار سے چل رہا تھا، مگر میز پر ایک خاموش اداسی اتر آئی تھی۔

"اتنے لوگ، زرتاشہ..."

حور کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

"اتنے سارے لوگ..."

"کسی کا باپ... کسی کا بھائی... کسی کی ماں..."

اس نے بمشکل اپنی آواز سنبھالی۔

"اور کتنے لوگوں کا روزگار تھا وہاں۔ برسوں کی محنت چند گھنٹوں میں راکھ ہو گئی۔"

اس نے دور کہیں شہر کی روشنیوں کی طرف دیکھا۔

"جب بھی اس آگ کی ویڈیوز دیکھتی ہوں نا... میرا دل رونے لگتا ہے۔"

زرتاشہ کے چہرے پر بھی سنجیدگی اتر آئی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو، حور۔"

اس نے آہستہ سے کہا۔

Clubb of Quality Content

"ایک ہفتہ گزر چکا ہے، لیکن لوگ ابھی تک اس صدمے سے باہر نہیں نکل سکے۔"

وہ چند لمحے خاموش رہی، پھر بولی،

"میرے پاس بھی ایسے کئی ٹراما کیسز آئے ہیں۔ کچھ لوگ تو اب بھی رات کو چیختے ہوئے جاگ جاتے ہیں۔"

حور نے بے اختیار سر اٹھایا۔

زرتاشہ نے گہرا سانس لیا۔

"میں نے ڈیڈی سے بات کی ہے۔"

"انہوں نے یقین دلایا ہے کہ ذمہ داروں کے خلاف سخت کارروائی ہو گی۔"

یہ سن کر حور کے چہرے پر ہلکی سی تسلی آئی، مگر درد اب بھی باقی تھا۔

"امید ہے ایسا ہی ہو..."

اس نے دھیرے سے کہا۔

پھر اس کی نظریں شہر پر پھیلتی روشنیوں پر جم گئیں۔

"لیکن یار... میئر انکل کو جلد کچھ کرنا چاہیے۔"

اس کی آواز بھرّا گئی۔

"کم از کم لوگوں کو اپنے پیاروں کی لاشیں تو مل جائیں..."

Clubb of Quality Content

اس نے بمشکل اگلے الفاظ ادا کیے۔

"کچھ تو مل جائے انہیں... کوئی نشانی... کوئی آخری یاد..."

میز پر خاموشی چھا گئی۔

دور افق پر سورج مکمل طور پر غروب ہو چکا تھا۔

اور شہر کی ہزاروں روشنیاں مل کر بھی شاید ان دلوں کے اندھیروں کو روشن نہیں کر سکتی تھیں، جنہوں نے اس حادثے میں کسی اپنے کو کھو دیا تھا۔

یہ ایک کشادہ آفس روم تھا۔ایک طرف لاء سے بھری کیس فائلز اور کتابیں الماری میں سلیقہ سے رکھی ہوئی تھیں اور دوسری طرف الماری سے کچھ دور ایک بڑی میز تھی جس پر ایک طرف کیس فائلز کا پلندہ اور لیپ ٹاپ کی سکرین کھلی تھی اور وہ وائیٹ شرٹ پہنے آنکھوں پر گلاسس لگائے رولنگ چیئر پر بیٹھا تھا۔اس کی نظریں اسکرین پر جمی ہوئی تھیں اور انگلیاں تیزی سے ٹک ٹک کرتی کی بورڈ پر چل رہی تھیں۔

وہ اپنے کام میں پوری طرح محو تھا کہ تبھی دروازہ کھلنے کی آواز پر چونک کر سر اٹھایا تو سامنے سے حسن آتا دکھائی دیا۔

وہ سفید شلوار قمیض میں ملبوس ہاتھوں میں سنہرے رنگ کی گھڑی پہنے اور ہمیشہ کی طرح بکھرے بالوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

حسن نے زاویان کے سامنے رکھی کرسی کھینچی اور اس پر بیٹھتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا:

"یار"

اس کی آواز میں موجود دکھ کا اندازہ کوئی بھی لگا سکتا تھا۔

زاویان نے قلم میز پر دھرا، لیپ ٹاپ کی اسکرین گرائی اور حسن کو سوالیا نظروں سے دیکھا۔۔

کچھ دیر تک حسن یوں ہی خاموشی سے کرسی پر ٹیک لگائے بیٹھا رہا اور زاویان بھی ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتا رہا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"کیا ہوا ہے حسن"

بالآخر زاویان کمرے کی خاموشی کو توڑتے ہوئے بولا۔

اس نے گہرا سانس لیا جیسے بولنے کے لیئے ہمت جما کر رہا ہو۔

"میں ابھی فراز کے جنازے سے ہو کر آرہا ہوں۔"

زاویان چونکا۔اس کے چہرے پر سنجیدگی آگئی۔

"انا للہ وانا الیہ راجعون..."

حسن نے سر جھکا لیا۔

"پتا ہے زاوِی... یہ غم مجھے اندر ہی اندر کھا رہا ہے۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ اس نے مجھے کہا تھا کہ سحر پلازہ کے معاملے میں کچھ گڑبڑ ہے... کچھ لوگ اسے دھمکیاں دے رہے ہیں۔ اور سمیر نے بھی مجھے ڈیٹیلز میل کی تھی..."

زاویان خاموشی سے سنتا رہا مگر دماغ میں یہی تھا کہ یہ فراز اور سمیر ہیں کون۔

حسن نے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرے۔

"مگر میں کاموں میں ایسا الجھا کہ سب بھول گیا۔ میں نے کسی بات کو سنجیدگی سے نہیں لیا۔"

چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔

آخر کار زاویان نے پوچھ ہی لیا۔

"حسن..."

"ہاں؟"

"یہ فراز اور سمیر ہیں کون؟"

حسن نے چونک کر اسے دیکھا۔

"پاگل ہو گیا؟ میں تمہیں فراز کی ڈیتھ کے بارے میں بتا رہا ہوں اور تم یہ سوالات کر رہے ہو۔"

"میں سنجیدہ ہوں۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

حسن نے مایوسی سے اسے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو اس کا کچھ نہیں ہو سکتا۔

یار، میرے دوست ہیں دونوں!"

زاویان نے اب بھی سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"کون سے دوست؟"

"فراز...وہی پلازہ والا۔"

"اور سمیر...اپنا سائبر والا۔"

زاویان نے آہستہ سے سر ہلایا، جیسے یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو مگر ابھی بھی یاد نہیں آیا۔

اصل مسئلہ یہ تھا کہ حسن کی دوستیوں کا کوئی حساب نہیں تھا۔

وہ جہاں جاتا، دوست بنا لیتا۔

کسی کی شادی ہو، کسی کا جنازہ، کسی کو مدد چاہیے ہو یا صرف ساتھ... حسن ہر جگہ موجود ہوتا اس لیے آدھا شہر حسن کا دوست تھا۔ لیکن سچائی تو یہ بھی تھی کہ باقی آدھا شہر حسن کے لیئے صرف زاویان تھا۔

مگر زاویان...

زاویان کی دنیا مختلف تھی۔

اس کی زندگی میں جان پہچان والے بہت تھے، تعلقات بھی تھے، مگر دوست؟

Clubb of Quality Content

صرف ایک۔

حسن۔

بچپن سے لے کر آج تک۔

اس کا واحد دوست۔

اس کا بھائی۔

اس کا اپنا۔

اسی لیے حسن کے ہر دوسرے دن کسی نئے دوست کا ذکر کرنے پر وہ اکثر حیران رہ جاتا تھا۔

"خیر..."

زاویان نے کرسی پر ذرا آگے ہوتے ہوئے کہا۔

"تم سحر پلازہ میں لگی آگ کی بات کر رہے ہو نا؟"

حسن نے فوراً اثبات میں سر ہلایا۔

"ہاں۔"

"حسن، وہ ایک حادثہ بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"نہیں!"

اس بار جواب فوراً آیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"نہیں زاوی۔ میرا دل ماننے کو تیار نہیں۔"

اس نے میز پر مکا مارا۔

"وہ آگ خود بخود نہیں لگی تھی۔"

"میں سو فیصد یقین سے کہہ رہا ہوں، یہ سازش ہے۔"

زاویان نے بغور اسے دیکھا۔

وہ جانتا تھا حسن جذباتی ضرور تھا، مگر بے بنیاد باتیں نہیں کرتا۔

"تمہیں اتنا یقین کیوں ہے؟"

حسن نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"کیونکہ فراز ڈرا ہوا تھا اسے دھمکیاں مل رہی تھی میں ہفتہ کو اس سے ملنے والا تھا مگر نہیں مل پایا۔"

"اور آج. میں اس کے جنازے سے واپس آیا ہوں۔"

وہ چند لمحے خاموش رہا۔

"اس کی بہن کی روتی ہوئی آنکھیں..."

"اس کے باپ کے جھکے ہوئے کندھے..."

"بار بار میرے سامنے آرہے ہیں۔"

اس کی آواز ٹوٹ گئی

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

شام کی نارنجی روشنی کھڑکی سے اندر آ رہی تھی۔

کچھ دیر بعد زاویان نے آگے بڑھ کر حسن کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"سنو۔"

حسن نے نظریں اٹھائیں۔

"اگر تمہیں واقعی لگتا ہے کہ معاملہ مشکوک ہے..."

"تو پھر پریشان ہونے کے بجائے۔"

".Just investigate it"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

حسن خاموش رہا۔

"جوابات ڈھونڈو۔"

حسن چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

پھر آہستہ سے سر ہلا دیا۔

"ہاں... شاید یہی کرنا چاہیے۔"

"شاید نہیں ں یقیناً یہی کرنا چاہیے۔"

زاویان نے جان بوجھ کر سخت لہجے میں کہا۔

پھر اس نے ماحول ہلکا کرنے کے لیے مصنوعی سنجیدگی سے پوچھا،

"ویسے ایک سوال ہے۔"

"کیا؟"

"تمہاری دوستیوں کی تعداد آخر کتنی ہے؟"

حسن نے بھنویں سکیڑیں۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اگر کل کوئی اور فراز، سمیر، عامر، جابر یا بابر نکل آیا تو میں پہلے سے لسٹ مانگ رہا ہوں۔"

حسن بے اختیار ہنس پڑا۔

"بکواس بند کرو۔"

"میں سنجیدہ ہوں۔"

زاویان نے دراز کھولتے ہوئے کہا۔

"ایک فائل بنا لیتے ہیں۔

"حسن کے دوست، جلد اول"

حسن کے ہونٹوں پر کئی گھنٹوں بعد ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"پاگل آدمی۔"

"ہاں تمھاری صحبت کا اثر۔"

زاویان نے بے ساختہ جواب دیا۔

چند لمحوں کے لیے حسن کا دل ہلکا ہو گیا۔

شاید درد کم نہیں ہوا تھا...

مگر اسے بانٹنے والا کوئی موجود تھا۔

اور کبھی کبھی یہی کافی ہوتا ہے۔

"ویسے اتوار کا پلان فائنل ہے نا؟" دودریا؟"

حسن نے کھڑکی کے باہر ڈھلتی شام کو دیکھتے ہوئے آہستہ سے سر ہلایا۔

"ان شاءاللہ۔"

"اچھا ہے۔"

زاویان مسکرایا۔

"ورنہ میں تمہیں زبردستی گاڑی میں ڈال کر لے جاتا۔"

اس بار حسن واقعی ہنس دیا۔

اور کمرے کی بوجھل فضا میں پہلی بار ہلکی سی زندگی لوٹ آئی۔

دیوار پر نصب گھڑی کی سوئیاں اپنی رفتار سے چل رہی تھیں جبکہ سامنے میز پر رکھا لیپ ٹاپ مسلسل مختلف نیوز چینلز کی ہیڈ لائنز دکھا رہا تھا۔ شہر بھر میں ہونے والے ہنگامے کی خبریں ہر لمحہ تازہ ہو رہی تھیں۔ کہیں آگ کے شعلے تھے، کہیں ایمبولینسوں کے سائرن، اور کہیں خوف زدہ لوگوں کا ہجوم۔

وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے خاموش بیٹھی سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر کسی قسم کا کوئی تاثر نہ تھا۔ وہ نظریں لیپ ٹاپ پر جمائے اتنے پر سکون انداز میں یہ سب دیکھ رہی تھی جیسے کچھ بھی اس کی توقع کے خلاف نہ ہوا ہو۔

وہ بدستور خاموش بیٹھی اسکرین پر چلتی خبروں کو دیکھ رہی تھی۔ نیوز اینکر کی سنجیدہ آواز مسلسل سحر پلازہ کی تباہی، زخمیوں کی تعداد اور ریسکیو آپریشن کی تفصیلات دہرا رہی تھی، مگر اس کے چہرے پر کسی قسم کا ردِ عمل نہ تھا۔

اسی دوران میز پر رکھا موبائل فون لرزا۔

اس کی نظریں اسکرین پر پڑیں۔

Unknown Number

اس نے ایک کال ریسیو کی اور فون کان سے لگا لیا۔

دوسری جانب چند لمحوں تک مکمل سکوت رہا، پھر ایک بھاری، پُراسرار مردانہ آواز سنائی دی۔

"سحر پلازہ کے مرکزی دستاویزات... خاص طور پر زمینوں کے تمام کاغذات۔مجھے وہ ہر صورت چاہییں۔"

وہ خاموشی سے سنتی رہی۔

"باقی ہدایات وقت آنے پر مل جائیں گی۔"

بس اتنا ہی کہا گیا۔

اگلے ہی لمحے دوسری جانب سے کال کٹ چکی تھی۔

کمرے میں دوبارہ وہی خاموشی اتر آئی۔

اس نے آہستگی سے فون میز پر رکھ دیا۔

اب پہلی بار اس کے چہرے پر ہلکا سا تاثر ابھرا۔

ایک نئے کام کی ذمہ داری قبول کرنے کا تاثر۔۔

اس نے بغیر کسی جلد بازی کے میز سے گاڑی کی چابی اٹھائی، اپنا کوٹ سنبھالا اور دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

اسے صرف ایک حکم ملا تھا۔

اور اس نے کبھی احکام کی وجہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"ارے بھائی جان آپ۔۔آپ کیسے تشریف لے آئے آج اس غریب کی کوٹھری میں ؟"

حسن بیڈ پر ٹانگیں پھیلائے،ہاتھوں میں موبائل تھامے فون پر کوئی بے تکی وڈیو دیکھ رہا تھا کہ تبھی حاشر اس کے کمرے میں داخل ہوا۔

"بس کبھی کبھار احسان کر دینا چاہیے غریبوں پر۔"

حاشر بھی شوخ لہجے میں اس سے مخاطب ہوا۔

"اوہو بڑے لوگ۔"

حسن نے اسے سر سے لے کر پیر تک دیکھتے ہوئے طنز کیا اور اسے ادب کے ساتھ بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا:

"مانا کہ یہ بیڈ آپ کے شایان شان نہیں ہے لیکن اگر پھر بھی بیٹھنا چاہیں تو سو بسم اللہ۔"

اس کی بات سن کر حاشر ایک دم سے ہنس دیا اور اس کو سر پر چپت لگاتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"کیسی ہو بیٹا..دن کیسا گیا آپ کا؟"

زرتاشہ ابھی لاؤنج میں رکھے صوفے پر بیٹھی ہی تھی کہ عالمگیر صاحب سیڑھیوں سے نیچے آ کر اس کے سامنے بیٹھے۔

"چار تھراپی کے سیشنز،دو روزمرہ کے چیکپز اور ایک ایڈکشن کیس۔اف بہت ٹف دن تھا آج۔"

وہ اپنی انگلیوں پر آج کی مصروفیات گنوانے لگی، بالکل اُسی طرح جیسے بچپن میں اپنی فرمائشیں گنوایا کرتی تھی۔ایک ایک انگلی پر وہ پورے دن کا حساب سنا رہی تھی اور عالمگیر صاحب اسے دیکھ کر مسکرا اٹھے۔وقت کے ساتھ بہت کچھ بدل گیا تھا، مگر اس کی یہ عادت آج بھی ویسی ہی تھی۔

"ایک دن میں چار تھراپی سیشنز؟"

وہ تھوڑا آگے جھکے اور دلچسپی سے سوال کیا۔

زرتاشہ نے پیروں سے سینڈل اتاری صوفے پر پیر لپیٹ کر بیٹھ گئی اور پر جوشی سے آگے ہوئی۔

"ڈیڈ آپ کو پتا سحر پلازہ کے کیس میں کتنے معصوموں کی جان چلی گئی، کتنے لوگ بے روزگار ہو گئے ،کتنے بچے یتیم، کتنی عورتیں بیوہ ہو گئیں۔بس وہی سب تھے جو آج کے پیشنز تھے اور انہی۔۔۔"

"اچھا آپ کو ایک زمین چاہیئے تھی نازر؟"

ابھی زرتاشہ کی بات مکمل بھی نہ ہوئی تھی کہ عالمگیر صاحب اس کی بات کاٹتے ہوئے بولے گویا انہیں اس موضوع میں کوئی دلچسپی ہی نہ رہی ہو۔

زرتاشہ نے انہیں چونک کر دیکھا اور چپ سی ہو گئی۔

"نہیں ڈیڈ اب نہیں چاہیے وہ مسلہ میں خود دیکھ لو گی۔"

اب وہ بولی تو اس کی آواز میں وہ جوش نہیں تھا۔کیونکہ اسے اندازہ ہو گیا تھا اس کے باپ کو اس کی موضوع میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے۔

کتنا عجیب ہوتا ہے نا جب آپ کسی اپنے کو بہت امید سے، بہت مان سے کچھ بتا رہے ہو مگر اسے دلچسپی ہی نہ ہو۔

"گڈ میری بہادر زر۔۔۔"

وہ آگے بھی کچھ بولتے لیکن اس سے پہلے ان کا فون بج اٹھا۔ وہ نمبر دیکھتے ہی کچھ چونکے اور فون کان سے لگاتے، زر کو اشارہ کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

ان کے قدم سیڑھیوں کی طرف تھے۔

"کیا"

فون پر کہی بات سن کر وہ اپنی جگہ پر منجمد ہو گئے۔

"پلازہ کے پیپرز مل گئے؟ ایکسیلینٹ۔ انہیں آفس لے آؤ میں پہنچتا ہوں۔"

ان کی دھیمی آواز خاموش لاونج میں گونجی اور وہ سیڑھیاں چڑھ گئے۔

جب کہ زر خاموش نظروں سے انہیں جاتا دیکھتی رہی۔ اب اسکی سبز آنکھوں میں وہ چمک موجود نہ تھی جو کچھ دیر پہلے اس کی آنکھوں کو چمکا رہی تھی۔

وہ بھی گہرا سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

اتنے میں ملازمہ اس کے قریب آئی۔

"میڈم کھانا لگا دوں؟"

"نہیں بھوک نہیں ہے"

اس کا مدھم لہجا اس کی تھکن واضح کرنے لگا۔

"مگر صاحب نے۔۔"

"نہیں کھانا مجھے آپ جائے اپنے کوٹر میں اب"

وہ سرد لہجہ میں بولی اور آگے بڑھ گئی۔

کوئی بھی دیکھ کر کہہ سکتا تھا کہ وہ آنکھیں اب سرد ہو چکی ہیں اب ان میں وہ چمک نہ تھی لیکن اس کے چہرے سے واضح نہ تھا وہ کیا سوچ رہی ہے۔ وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتی آگے بڑھنے لگی اور اس کی ہیل کی ٹک ٹک فضا میں گونجنے لگی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"حسن آج تمہارا کمرہ کچھ زیادہ ہی پھیلا ہوا ہے۔"

حاشر نے کمرے کا جائزہ لیا۔

"ارے نہیں نہیں بھائی۔۔اس کی تو اصل حالت ہی یہی ہے بس آپ کافی دنوں بعد آئے ہیں اسی لیے آپ کو عجیب لگ رہا ہے۔"

حسن بے پرواہی سے کہتا چلا گیا۔

"تمہیں تو تمہاری بیوی ہی سدھارے گی آکر۔"

حاشر مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا۔

"اونہہ۔ دیکھ لیں گے۔"

اس نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔

"ویسے کوئی ہے نظر میں؟"

حاشر نے حسن کے قریب کھسکتے ہوئے تجسس سے سوال کیا۔

"اچھا اب سمجھ آیا جاسوس کہیں کے امی کے حکم پر اگلوانے آئے ہیں نا آپ مجھ سے یہ راز؟"

حسن بھی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور اونچی آواز میں بولا۔

"راز؟ مطلب کوئی تو ہے رائٹ؟"

حاشر بھی کہاں ہار ماننے والا تھا۔

"آرے۔۔ نہیں۔ نہیں۔"

"جھوٹ۔۔ جلدی بتاؤ کون ہیں میری ہونے والی بھابھی۔"

حاشر جزباتی ہوتے ہوئے بولا۔

"اچھا آپ کو بتادوں تاکہ کل ہی آپ اور امی رشتہ لے کر پہنچ جائیں ادھر۔۔ نہیں بھئی نہیں۔"

حسن کان چھوتے ہوئے بولا۔

"افف۔ اپنے بھائی پر یقین ہی نہیں ہے کیسا زمانہ آگیا ہے۔"

Clubb of Quality Content

حاشر ڈرامے کرنے لگا یہ جانتے ہوئے بھی کہ کچھ بھی ہو جائے حسن اسکو کچھ نہیں بتانے والا۔

"ہاں امی کے جاسوس، نہیں ہے آپ پر یقین۔"

حسن نے بے فکری سے کہا اور بیڈ سے ٹیک لگا کر موبائیل اٹھا لیا۔ تھوڑی دیر اسکرولنگ کے بعد اس کے سامنے سحر پلازا کی ایک وڈیو آئی۔

"بھائی۔"

"ہاں۔"

"سحر پلازا۔ کتنا برا انسیڈینٹ تھا نا؟ میری تو ابھی تک روح کانپتی ہے اس کے بارے میں سوچ کر۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

حسن کے چہرے کے تاثرات یکدم بدل گئے۔

"ہم۔"

اپنے بھائی کا جواب سن کر اس نے بے اختیار سامنے دیکھا جیسے اسے اتنے مختصر جواب کی امید نہ ہو۔

"حسن ہر کام میں کوئی نا کوئی بہتری ہوتی ہے اور میرے خیال میں اس کام میں بھی خدا کی کوئی بہتری ہی ہو گی۔"

حاشر بولتے بولتے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم زیادہ مت سوچو اس بارے میں اپنے کام میں فوکس کرو ہم؟"

اس کا لہجا بہت میٹھا تھا بلکل جیسے ایک بڑے بھائی کا ہوتا ہے لیکن ناجانے کیوں یہ بات حسن کے حلق تک کو کڑوا کر گئی تھی۔ پر اس نے کوئی جواب نہیں دیا گویا کہنے کے لیئے اب کچھ بچا ہی نہ ہو۔

"اچھا ویسے کل تو تمھارا پلین ہے نا؟ زاویان اور حورین کے ساتھ؟"

اس کو چپ پا کر حاشر نے خود ہی ماحول کو بہتر بنانے کی کوشش کی۔

"جی۔"

حسن ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے بولا۔

"گریٹ! انجوائے کرنا اور وہاں پکچرز ضرور بھیج دینا۔"

"جی بھائی۔"

حاشر مسکرا دیا اور کمرے سے نکل گیا اپنے پیچھے حسن کو یہ سوچنے پر مجبور کر کے کہ کیا واقعی بھائی کو کوئی فرق نہیں پڑھتا؟ کیا واقعی بھائی اتنے سنگ دل ہیں؟ یا مجھے دلاسہ دینے کے لیئے انہوں نے موضوع بدلا۔

ایک ساتھ کئی سوال اس کے ذہن میں آئے تھے جسکا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

سیاہ ایس یو وی حورین کے گھر کے سامنے آکر رکی۔

"کہاں رہ گئی...؟ حور کو بولا بھی تھا دیر مت کرنا۔"

حسن نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ دوپہر کے گیارہ بج رہے تھے۔

ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے زاویان نے ذرا سامڑ کر اسے دیکھا۔

"آرہی ہو گی... تمہیں ذرا صبر نہیں ہے۔"

"کب سے آہی رہی ہے۔ پورے دس منٹ ہو گئے ہیں... عجیب!"

وہ منہ بناتے ہوئے بولا۔

"تمہاری کون سی ٹرین چھوٹ رہی ہے؟"

زاویان نے سر سیٹ کے ساتھ ٹکا دیا۔

"ایک تو تم اسے زیادہ فیور مت دو۔ اس کے چکر میں میرا سن سیٹ نکل گیا نا، تو چھوڑوں گا نہیں دونوں کو۔"

Clubb of Quality Content

حسن نے پھر نظریں گھر کے دروازے پر جما دیں۔

"اوہ حسن! تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا۔ ابھی جسٹ گیارہ بجے ہیں۔ ہم ڈیڑھ گھنٹے میں پہنچ جائیں گے۔"

زاویان نے نفی میں سر ہلایا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

کڑکتی ہوئی دھوپ تھی۔ سورج سر پر چمک رہا تھا۔ گاڑی دروازے سے تھوڑے فاصلے پر کھڑی تھی۔ اس نے ایک سرسری نظر ارد گرد دوڑائی اور پھر گاڑی کی دوسری سائیڈ جا کر اس سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

اب اس کی نظریں بھی اسی دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔

آنکھوں پر سیاہ سن گلاسز، آسمانی رنگ کی ٹی شرٹ، بلیک پینٹ اور پاؤں میں جو گرز۔ آج اس نے ہمیشہ کے فارمل انداز سے ہٹ کر کچھ پہنا تھا، مگر پھر بھی اس کی شخصیت میں وہی وقار نمایاں تھا۔

"کھڑے کیوں ہو گئے؟ جاؤ نا بیل بجاؤ... نکالو لیڈی ڈیانا کو گھر سے!"

حسن نے کھڑکی سے سر نکالتے ہوئے آواز لگائی۔

زاویان ابھی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازہ کھل گیا۔

وہ وائٹ اسنیکرز پہنے باہر نکلی۔ بلیک کرتی اور ساتھ بیگی جینز۔ مگر زاویان کی توجہ جس چیز نے سب سے زیادہ کھینچی، وہ اس کا حجاب تھا... جو نہایت خوبصورتی سے اس کے سر پر ٹکا ہوا تھا۔

وہ چلتے ہوئے اسے ہلکا سا ٹھیک کر رہی تھی۔ سورج کی سنہری کرنیں اس کے چہرے پر پڑ رہی تھیں اور اس کے چہرے کو مزید روشن بنا رہی تھیں۔

زاویان کو یوں محسوس ہوا جیسے ایک لمحے کو اس کا دل دھڑکنا بھول گیا ہو۔

وہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہا تھا۔

جیسے ہی وہ قریب آئی، اس نے فوراً اپنی نظریں نیچے کر لیں۔ اس سے زیادہ وہ اسے دیکھنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔

"اسلام علیکم!"

وہ پُر جوش انداز میں بولی۔

وہ جواب دیتا اس سے پہلے ہی وہ پھر بول پڑی۔

''سوری... تھوڑی لیٹ ہو گئی۔''

''وعلیکم السلام...اِٹس اوکے۔''

اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''بھئی ہو گیا ہو تو اب بیٹھ بھی جاؤ... عجیب!''

حسن نے پھر کھڑکی سے سر نکالتے ہوئے جھنجھلا کر کہا۔

اگر اس لمحے زاویان کسی ایک شخص کو وہاں سے غائب کر سکتا، تو وہ بلا شبہ حسن ہی ہوتا، جو دونوں کے درمیان پوری ڈھٹائی سے کباب میں ہڈی بنا کھڑا تھا۔

اس کی بات پر زاویان نے جھنجھلا کر نفی میں سر ہلایا، جیسے کہہ رہا ہو کہ اس بے صبرے کا کچھ نہیں ہو سکتا۔

حورین نے بھی اسے دیکھ کر زبان چڑا دی۔

پھر زاویان نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور حورین کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

وہ مسکراتے ہوئے اندر بیٹھ گئی۔

اس کے بعد وہ خود گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

چند ہی لمحوں بعد گاڑی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

ان کی منزل...دو دریا تھی۔

اور جلدی پہنچنے کی وجہ صرف ایک تھی—

آج کا خوبصورت سن سیٹ دیکھنا۔

"ماما، کھولیں دروازہ پلیز!"

وہ چیختے ہوئے بولی۔اس کی آنکھیں حد درجہ لال تھیں اور ہاتھوں پیروں پر ہر جگہ زخم تھے، جیسے کسی نے نوچا ہو اور زخم بھرنے نہ دیے گئے ہوں۔اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ مسلسل دروازہ پیٹ رہی تھی۔

"بس لاسٹ دفعہ دے دیں وہ گولیاں پلیز!"

وہ کبھی دروازے پر زور زور سے ہاتھ مارتی، کبھی اپنے بال نوچنے لگتی۔بے چینی میں اس نے دروازے پر ناخن بھی رگڑنے شروع کر دیے تھے۔پھر اپنے بازوؤں اور ہاتھوں کو بار بار کھجانے لگی، حالانکہ وہاں پہلے ہی کئی زخم موجود تھے۔

آخر کار وہ دروازے پر ہاتھ مارتے مارتے نیچے بیٹھتی چلی گئی۔

Clubb of Quality Content

اب دروازے کی دوسری طرف اس کی ماں کو صرف اس کی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ دروازے کے نوب پر ہاتھ رکھے ضبط سے کھڑی تھیں۔

ان کی بیٹی صرف انیس سال کی تھی۔اس نے ابھی چھ ماہ پہلے ہی یونیورسٹی جانا شروع کیا تھا۔انجینئر بننا اس کا خواب تھا، مگر پتہ نہیں کیسے اسے ڈرگز کی لت لگ گئی تھی،اور ابھی ایک ہفتہ پہلے ہی انہیں اس بات کا معلوم ہوا تھا۔

انہوں نے بہت کوشش کی تھی کہ ان کی بیٹی، عنیزہ، یہ سب چھوڑ دے۔ کبھی ڈانٹ کر، کبھی سمجھا کر، کبھی زبردستی، مگر وہ مان ہی نہیں رہی تھی۔

وہ کسی ڈاکٹر کے پاس جانے کو بھی راضی نہیں تھی۔انہوں نے کتنے بڑے بڑے اسپیشلسٹس کو کنسلٹ کیا تھا، مگر وہ بہتر نہیں ہو رہی تھی۔

اتنے بڑے بزنس مین کی بیٹی تھی عنیزہ۔اس کی ماں خود ایک مشہور فیشن ڈیزائنر تھیں۔پیسوں کی کوئی کمی نہیں تھی،امیر بیک گراؤنڈ تھا، لیکن پھر بھی وہ عنیزہ کو ڈرگز کی لت سے نہیں بچا پائے تھے۔

ابھی کل ہی اس نے ضد کی تھی۔

"مجھے صرف ڈاکٹر زرتاشہ عالمگیر کے پاس جانا ہے۔وہ میری یونیورسٹی آئی تھیں۔انہوں نے ایک اویرنیس سیشن کنڈکٹ کیا تھا۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

پھر کچھ دیر خاموش رہ کر وہ بولی تھی،

"مجھے ان پر بھروسہ ہے میں جانتی ہوں وہ جج نہیں کرتیں۔"

عنیزہ کی بات ان کے دماغ میں آئی تو انہوں نے فیصلہ کر لیا۔

بس، کل ہی وہ اپائنٹمنٹ لیں گی۔

انہیں جو بھی کرنا پڑا، وہ کریں گی اپنی بیٹی کے لیے۔

یہ سوچ کر انہوں نے اپنے آنسو پونچھے اور آہستہ آہستہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

کراچی کی مصروف سڑکیں پیچھے رہتی جا رہی تھیں اور ان کی گاڑی اب آہستہ آہستہ دو دریا کی طرف بڑھ رہی تھی۔

Clubb of Quality Content

جوں جوں وہ قریب آتے گئے، شہر کا شور پیچھے چھوٹتا گیا اور سمندر سے اٹھتی ٹھنڈی ہوا گاڑی کی کھڑکیوں سے اندر آنے لگی۔

دو دریا۔۔

یہ کراچی کی اُن چند جگہوں میں سے ایک ہے جہاں شہر کی بھاگتی دوڑتی زندگی چند لمحوں کے لیے سانس لینا سیکھ جاتی ہے۔ دن بھر کے شور، ٹریفک اور ہارنوں سے بھاگ کر لوگ شام ڈھلتے ہی یہاں چلے آتے ہیں۔ سمندر کی نمکین ہوا، دور تک پھیلا نیلگوں پانی، پتھروں سے ٹکراتی بے قرار لہریں اور

کنارے پر قطار در قطار جگمگاتے ریسٹورنٹس، سب مل کر ایسا منظر بناتے کہ انسان بے اختیار اپنی ساری پریشانیاں کچھ دیر کے لیے بھول جاتا۔

کہتے ہیں، دو دریا کا سورج ڈوبنا صرف ایک منظر نہیں، ایک احساس ہے۔

ایسا احساس جسے الفاظ مکمل طور پر بیان نہیں کر سکتے۔

اور شاید اسی احساس کو جینے کے لیے وہ تینوں آج یہاں آئے تھے۔

کچھ ہی دیر بعد گاڑی دو دریا کے مشہور کولاچی ریسٹورنٹ کے باہر آ کر رکی۔ سمندر کے عین کنارے واقع وہ ریسٹورنٹ لکڑی کے خوبصورت طرزِ تعمیر، سنہری روشنیوں اور کھلی فضا کے باعث دور ہی سے دل موہ لیتا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"کتنا خوبصورت ہے۔"

وہ لوگ گاڑی سے اتر کر ریسٹورنٹ کے اندر داخل ہوئے تو اس کی خوبصورتی دیکھ کر حورین کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"بالکل تمہاری طرح"

یہ الفاظ بے اختیار زاویان کے دل میں اترے، مگر لبوں تک نہ آسکے بس ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ ابھری، اس نے ایک سرسری نظر حورین پر ڈالی اور خاموشی سے قدم آگے بڑھا دیے۔

"دو بج گئے دوپہر کے اس کی وجہ سے اونہہ۔"

ابھی وہ لوگ کھانا اورڈر کر کے بیٹھے ہی تھے کہ حسن گھڑی میں دیکھتے ہوئے منہ بنا کر بولا۔

"دوپہر کے دو بجے ہیں، رات کے تو نہیں نا؟ دیکھ لوگے تم سن سیٹ مرو نہیں۔"

حورین منہ بسورتے ہوئے جھنجھلا کر بولی، کیونکہ حسن پورے راستے اسے چھیڑتا اور سناتا ہوا آیا تھا، اور اب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔

"بس کر دو تم دونوں فور گاڈ سیک، ہر وقت لڑتے رہتے ہو۔"

زاویان نے مسکراتے ہوئے دونوں کو ڈانٹ لگائی۔

زاویان ان دونوں سے عمر میں بڑا اور میچور تھا۔ حسن سے ایک سال جبکہ حورین سے چار سال۔ ویسے بھی ان دونوں کی نوک جھونک کوئی نئی بات نہیں تھی۔ تایا زاد اور پھوپھی زاد کزنز ہونے کے باوجود ان کی لڑائی بالکل سگے بہن بھائیوں جیسی تھی۔ ایک دوسرے کو چھیڑنا، بحث کرنا اور پھر چند ہی لمحوں بعد ایسے باتیں کرنے لگ جانا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو، ان کی روزمرہ کی عادت تھی۔ زاویان تو برسوں سے ان دونوں کی اس میٹھی تکرار کا عادی ہو چکا تھا۔

"اچھا انکل جیسا آپ کہیں۔"

حسن زاویان کو چھیڑتے ہوئے بولا۔ حورین نے فوراً اسے گھورا، مگر حسن پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اتنی دیر میں کھانا آ چکا تھا۔

"یہ کھانا آپ نے بنایا ہے۔"

حسن نے ویٹر کو بھی نہیں چھوڑا اور اسے بھی چھیڑنے لگا۔

"نہیں نہیں سر میں تو آرڈر لیتا ہوں اور سرو کرتا ہوں بس۔"

ویٹر مسکرایا اور پھر جواب دیا۔

"واہ بھئی اس کام کے بھی پیسے ملتے ہیں اور اتنا خوبصورت ویو مفت میں، وہ بھی روزانہ۔"

حسن کی آواز میں دنیا جہاں کی حسرت محسوس ہوئی تھی جسے سن کر حورین اور زاویان بے اختیار ہنس دیئے تھے اور ویٹر بھی مسکراتے ہوئے واپس چلا گیا۔

"ان سے ملیئے یہ ہیں حسن احمد جو جہاں جاتے ہیں۔۔"

"چھا جاتے ہیں۔"

حورین نے کیمرا آن کر کے حسن کو ریکارڈ کرنا شروع کیا پر حسن بیچ میں سے اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

"اف اپنے منہ میاں مٹھو مت بنو حسن۔۔اینی ویز یہ ہیں مسٹر زاویان ملک ایک ماہر پراسیکیوٹر۔"

حورین حسن کو جھنجھلا کر بولی اور کیمرے کا رخ زاویان کی جانب موڑ دیا۔

"ہیلو۔۔ویسے ہماری آڈیئنز کون ہے؟"

"یہ خود۔۔پہلے ویڈیو بناتی ہے پھر پچاس دفعہ اسے خود دیکھتی ہے۔"

حسن اپنی جاب بخوبی انجام دے رہا تھا۔۔کباب میں ہڈی بننے کی جاب۔

اس کی بات پر حورین نے جل بھن کر اسے دیکھا تھا جبکہ زاویان نے بمشکل اپنی ہنسی روکی تھی۔

کچھ ہی دیر میں وہ لوگ ناشتے سے فارغ ہو چکے تھے۔زاویان اور حورین سمندر کے کنارے ایک بڑے سے پتھر پر ساتھ بیٹھے تھے، جبکہ ان سے کچھ فاصلے پر حسن گھٹنوں تک پانی میں اتر کر چند بچوں کے ساتھ لہروں سے کھیلنے میں مگن تھا۔

بے قرار لہریں بار بار کنارے سے ٹکراتیں اور ان کے قدموں کو چھو کر واپس پلٹ جاتیں۔سمندر سے اٹھتی ٹھنڈی ہوا حورین کے حجاب کے کناروں اور زاویان کے بالوں سے کھیل رہی تھی۔

دونوں خاموش تھے۔ان کی نظریں سامنے پھیلے نیلگوں سمندر پر جمی تھیں، جہاں افق، پانی اور آسمان مل کر قدرت کی ایک خاموش مگر دلکش تصویر بنا رہے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"ایک بات بتاؤں۔"

زاویان مدھم لہجے میں حورین سے گویا ہوا۔

"جی۔"

"یہ جگہ میری اور حسن کی کمفرٹ زون ہے۔"

زاویان کی نظریں آسمان پر تھیں جبکہ حورین اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں اور حسن جب بھی بہت زیادہ پریشان ہوتے تھے، یہاں آجاتے تھے۔"

"ہم دونوں خاموش بیٹھ کر بس سورج کو ڈوبتے دیکھتے رہتے تھے۔"

وہ سمندر کی طرف دیکھتے ہوئے ہلکا سا مسکرایا اور حورین نے بھی نظریں سامنے کر لی جہاں حسن بچوں کے ساتھ بچا بنا ہوا تھا۔ وہ ایک دم سے مسکرادی۔ یہی تو خاصیت تھی حسن کی وہ پاس ہو نا ہو کچھ بولے نا بولے لیکن اس کا خیال ہمیشہ چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دیتا تھا۔

"پھر نہ جانے کیوں لگتا تھا۔۔ جیسے سورج کے ساتھ ہماری پریشانیاں بھی سمندر میں ڈوب گئی ہوں۔"

بظاہر تو زاویان یہاں دیکھائی دیتا تھا لیکن نا جانے اس کا ذہن ماضی کے کون سے قصوں میں کھویا ہوا تھا۔

حورین بھی مسکرا کر ٹکٹکی باندھے بس اسے دیکھے گئی۔ اسے سمجھ نہیں آیا کہ یہ سمندر اور لہریں زیادہ خوبصورت ہیں یا پھر پتھر پر بیٹھا وہ وجود جس کی بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے اور بات کرتے ہوئے سر جھکا کر مسکرا رہا تھا۔

اگر اسی لمحے حورین سے کوئی پوچھتا کہ اس کے سامنے سب سے حسین منظر کون سا ہے، تو وہ بلا جھجک کہہ دیتی کہ نیلے پانی اور آسمان کی نارنجی روشنی کے امتزاج میں پتھر پر بیٹھا وہ جو گمبھیر اور دیھما بولتا ہے۔

زاویان نے بھی سر اٹھا کر اسے دیکھا اور ہلکی سی ابرو اٹھائی۔

"کیا ہوا"

"نہیں س کچھ نہیں"

وہ فوراً سر جھٹک کر سامنے دیکھنے لگی پھر گہرا سانس لے کر بولی:

"تو آج کیا پریشانی ہے؟"

زاویان نے حسن کی طرف دیکھا۔

"حسن"

حورین چونکی۔

"کیوں"

حیرت سے اس کے منہ سے بے اختیار نکلا کیوں کہ وہ حسن کی ہر چھوٹی بڑی بات سے باخبر رہتی تھی۔

Clubb of Quality Content

زاویان نے ایک لمحہ اسے دیکھا۔ اسے فوراً اندازہ ہو گیا کہ حسن نے حورین کو کچھ نہیں بتایا تھا، اور جب حسن نے خود یہ بات اس سے چھپائی تھی تو وہ بھی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

"چھوڑیں آج یہ سب باتیں نہیں۔"

اس نے موضوع بدل دیا۔

"آج بس ایک خوبصورت دن جینے آئے ہیں۔"

"اوہ اچھا۔"

اس کو تسلی نہ ہوئی تھی مگر وہ پھر بھی مسکرا دی۔

"آپ کو پتا ہے گرمیوں میں میرا اور حسن کا فیورٹ کھیل کیا تھا؟"

پھر وہ موضوع بدلتے ہوئے بولی۔اب اس کی نظریں بچوں سے کھیلتے حسن پر تھی۔

زاویان بھی اب حسن کو دیکھ رہا تھا۔

"ہم واٹر گن سے کھیلتے تھے اور ایک دوسرے پر پانی پھینکتے۔یہ ہمارا پسندیدہ مشغلہ تھا۔"

وہ ہنسی دبا کر بولی۔

"ایسے ہی ہر بار پانی سے کھیلتے کھیلتے حاشر بھائی کے اسائمنٹز بھی خراب کیئے۔۔"

"اور جب حاشر بھائی غصہ میں پوچھتے۔"

"کس کی حرکت یہ؟"

"حسن مجھے پیچھے کر کی خود اگے ہو جاتا۔"

"میں نے کی ہے جو اکھاڑنا ہے اکھاڑ لو"

حورین کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔

"اور ہر بار کی طرح ڈانٹ ختم ہونے کے بعد بھی وہ فاتحوں کی طرح مسکراتا رہتا تھا، جیسے ڈانٹ کھا کر نہیں، کوئی تمغہ لے کر آیا ہو۔"

اس کے منہ سے بے اختیار ہنسی نکلی تھی۔زاویان بھی اسے مسکرا کر دیکھنے لگا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"یہ ایسے ہی ہے، اپنوں پر بات نہیں آنی چاہیے چاہے خود کی ناؤ ہی کیوں نہ ڈوب جائے۔"

"اے بھائی! کیوں وہاں بیٹھے ہو؟"

حسن نے دونوں ہاتھوں سے پانی اچھالتے ہوئے زور سے آواز لگائی۔

چھپاک!

پانی کے چند قطرے حورین تک بھی آ پہنچے۔

وہ فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"حسن کے بچے!"

وہ چیختے ہوئے بولی۔

"مہنگا پڑے گا تمہیں!"

"پہلے پکڑ تو لو!"

حسن بچوں کی طرح زبان چڑا کر بولا اور پانی میں مزید آگے بھاگ گیا۔

حورین نے بے اختیار زاویان کی طرف دیکھا۔

"چلیں؟"

زاویان نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔

دونوں جوتے وہیں پتھروں پر چھوڑ کر پانی میں اتر گئے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

ٹھنڈا پانی ٹخنوں سے ٹکرایا تو حورین نے بے اختیار سسکاری بھری۔

"اُف... کتنا ٹھنڈا ہے!"

"عادت ہو جائے گی۔"

زاویان نے مختصر سا جواب دیا۔ ابھی وہ دو قدم ہی آگے بڑھے تھے کہ۔۔

"چھپاک!"

حسن نے پوری طاقت سے پانی زاویان پر اچھال دیا۔

"ویلکم ٹو دو دریا!"

اس نے فاتحانہ انداز میں دونوں ہاتھ پھیلائے۔

زاویان نے خاموشی سے اپنی آستینیں ذرا اوپر کیں۔

"ایک منٹ..."

اگلے ہی لمحے زاویان نے دونوں ہاتھوں سے پانی اٹھا کر سیدھا حسن پر دے مارا۔

"اوووووئے!"

حسن تقریباً اچھل پڑا۔

"غداری!"

"شروع تم نے کیا تھا۔"

زاویان کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

"حور! اسے سمجھاؤ!"

حسن فوراً اس کے پیچھے چھپ گیا۔

"حورین ہنستے ہنستے دوہری ہو رہی تھی۔

"میں؟"

"میں تو کسی کی سائیڈ نہیں لے رہی۔"

"یہ ناانصافی ہے!"

حسن نے احتجاج کیا۔

"رشتے میں بہن لگتی ہو میری!"

"اور وہ؟"

حورین نے شرارت سے پوچھا۔

"وہ..."

حسن نے زاویان کی طرف دیکھا۔

"...وہ تو دشمن ہے!"

"اچھا؟"

زاویان آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔

"اب بتاتا ہوں دشمن کسے کہتے ہیں۔"

اگلے ہی لمحے زاویان نے اس کی گردن میں بازو ڈال لیا۔

"آج تجھے سمندر میں پھینک دیتا ہوں۔"

"اوئے حور! دیکھو نا، یہ ظلم کر رہا ہے۔"

حسن نے جان بوجھ کر چیخنا شروع کر دیا۔

حورین ہنستے ہنستے دوہری ہو گئی، مگر موبائل اب بھی آن تھا۔

"ایویڈینس ریکارڈ ہو رہا ہے۔"

"اوئے مرد بنو عورت کے پیچھے کیوں چھپ رہے ہو؟ ہمت ہے تو آؤ سامنے۔"

زاویان چیلنج کرتے ہوئے بولا تو حسن بھی آستینیں چڑھاتا ہوا ہاتھوں میں پانی بھرنے لگا جبکہ حورین مزے سے دونوں کو ریکارڈ کرنے لگی۔

سورج اب آدھا سمندر میں اتر چکا تھا۔

تینوں ہاتھوں میں اپنے جوتے لیے کنارے کنارے چل رہے تھے۔

لہریں ان کے قدموں کو چھو کر واپس جا رہی تھیں۔

پھر اچانک حسن دونوں سے آگے نکل گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اور سمندر کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔

پھر پوری طاقت سے چیخا:

"سن رہے ہو؟"

"ہم پھر آ گئے"

: پھر ہنستے ہوئے مزید بولا:

"دودریا... گواہ رہنا۔۔"

"ہم تینوں ہمیشہ ایسے ہی ملنے آئیں گے۔"

زاویان اور حورین ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیئے۔

انہیں کیا معلوم تھا۔

دور افق پر سورج آہستہ آہستہ سمندر میں اتر رہا تھا اور شاید وقت بھی ان کے لیے انہی لمحوں کو ہمیشہ کے لیے یادگار بنا رہا تھا۔

جاری ہے۔۔

Clubb of Quality Content

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے

نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

ہماری ایپ ڈاؤنلوڈ کریں اور رسائی حاصل کریں بے شمار مزے دار ناولوں تک

Download our app

بہترین کوالٹی کی کتب شائع کروانے کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں۔

03257121842

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842